قرآنِ پاک

کے

نقوش و اثرات انسانی تاریخ پر

مقالہ

از جناب اے۔ کے بروہی

شامِ ہمدرد

جمعہ۔ ۲۶ رمضان المبارک، ۱۳۸۷ ہجری

۲۹ دسمبر ۱۹۶۷ شمسی

کراچی

قرآن پاک کے نقوش و اثرات انسانی تاریخ پر

قرآنِ پاک کا دعوا ہے کہ وہ ایک "کتاب ہدایت" یعنی انسان کے لیے راہنما کتاب ہے۔ یہ ساری انسانیت کے لیے ایک کھلی ہوئی کتاب ہے۔ حقیقت میں اس کتاب کا تخاطب دنیا کے تمام انسانوں سے ہے۔ اس کا پیغام دنیا کے مختلف خطوں میں رہنے والی مختلف قوموں کے لیے ہے۔ اس کے علاوہ اس کا پیغام موجودہ اور آئندہ کے ہر زمانے کے لیے قابلِ عمل ہے۔ بالفاظ دیگر یہ وہ کتاب ہے، جو کبھی منسوخ نہیں ہوگی۔ یہ دعوا کم از کم اصولی حد تک تو ایسا ہونا چاہیے کہ تاریخی شواہد پر منطبق کرنے سے اس کی صداقت واضح ہوجائے۔ اگر قرآنِ پاک اِس معنی میں ایک عالمی ہدایت کی کتاب ہے کہ اس کا پیغام ہر زمانے اور ہر ملک کی تمام قوموں کے لیے ہے، تب تو چودہ سو برس کی اس لمبی تاریخ پر اس کا گہرا نقش ضرور پڑنا چاہیے، خصوصاً ان لوگوں کے لیے جو اس پر ایمان رکھتے ہیں، اس کا اثر حرّیت نواز اور انقلاب انگیز ہونا چاہیے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ قرآنِ پاک کے اس دعوے کی تائید میں تاریخی شہادت موجود ہے، جس کا خاکہ میں اس وقت پیش کرنا چاہتا ہوں۔

لیکن تاریخی شہادت پیش کرنے سے پہلے یہ بتادینا ضروری ہے کہ اس سے بلند و بالاتر بھی ایک چیز ہے، جو قابلِ توجہ ہے، وہ یہ کہ خود اس آسمانی کتاب کے اندر متعدد بیانات ایسے موجود ہیں، جن سے ایک معقولیت پسند صاحبِ فکر اس کے دعوے کی سچائی کو پرکھ سکتا ہے ——— یعنی یہ کہ یہ کتاب ایک عالمگیر اہمیت کا پیغام پیش کرتی ہے، لیکن یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ داخلی اور ذاتی شہادتیں اسلام کے مذہبی عقائد اور فرائض کے دائرے کی حد تک ہی کارآمد ہیں۔ بالفاظِ دیگر یہ انھیں لوگوں کے لیے قابلِ قبول ہیں جو الہامی کلام پر اعتقاد رکھتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ یہ کتاب پیغمبرِ اسلام پر الہامی طور پر نازل کی گئی ہے اور آج تک اپنی اصلی حالت میں محفوظ رہی ہے اور اس میں کسی قسم کا ذرّہ برابر ردّ و بدل نہیں کیا گیا ہے۔ تاریخ کی خارجی شہادت، جس کا خاکہ میں پیش کرنا چاہتا ہوں یعنی انسانی تاریخ پر قرآنِ پاک کے اثرات ——— ایک ایسی شہادت ہے، جو امرِ فیصل طلب ہے اور اگر میری گزارشات پر توجہ فرمائی گئی تو یقین ہے کہ وہ لوگ بھی جو اِسلام کے ماننے والے نہیں ہیں، لیکن معقول دلائل کی صداقت کو کھلے دل سے تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں، وہ بھی غیر جانب داری کے ساتھ اس انقلاب کو محسوس کرلیں گے، جو اِس کتاب کے پیغام سے انسانی تاریخ میں رُونما ہوچکا ہے۔

میں یہ عرض کروں گا کہ اس نقطہ نظر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کا سارا تاریخی دور قرآن کے اس دعوے کی توضیح و تفسیر نظر آئے گا کہ یہ کتاب پوری نوعِ انسانی کے لیے ایک رہنما کتاب ہے اور اس کی تعلیمات آنے والے ہر زمانے کے لیے کارآمد ہے۔ بہر حال قرآنِ پاک کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ مشرق کا بھی خدا ہے اور مغرب کا بھی۔ اس نے جو حقائق نازل کیے وہ دنیا کے تمام لوگوں کی خواہ وہ مشرق کے ہوں یا مغرب کے، فکری زندگی کا تانا بانا بن گئے۔ قرآنِ پاک ہمیں یقین دلاتا ہے کہ جب "حق" ظاہر ہوجاتا ہے تو "باطل" غائب ہوجاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ باطل کی فطرت ہی ایسی ہے کہ "حق" کے مقابلے میں غائب ہوجائے۔

(۱)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور اس کی وجہ سے اسلام کا طلوع اس زمانے کے زندہ تمدنوں کے جغرافیائی وسط میں ہوا۔ یونانی رومی تمدن مغرب میں، مصری، بابلی، فینیقی، ایرانی تمدن مشرقِ وسطیٰ میں اور ہندی اور چینی تمدن مشرقِ بعید میں موجود تھا۔ عرب کی سرزمین میں اسلام کا طلوع تاریخ کے ایک وسیع منظر میں ایسی مماثلت رکھتا ہے جیسے کہ ایک سخت تاریک دنیا کے بیچوں بیچ ایک تیز روشنی والا چراغ رکھ دیا جائے۔ اس طرح یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ قرآن میں پیغمبرِ اسلام کو ایک "روشن چراغ" کہا گیا ہے۔ اور چراغ ہی کے تصور سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انسانوں کے لیے ایک رحمت یعنی رحمۃ للعالمین کے لقب سے نوازا گیا ہے۔ آنحضرتؐ نے نوعِ انسانی کے لیے جو کچھ کیا ہے اس کا شکر یہ نوعِ انسانی پوری طرح ادا نہیں کر سکتی۔

اللہ تعالیٰ کا انسان پر سب سے بڑا فضل یہ ہے کہ اس کو قرآن پڑھایا گیا اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ کے "رحیم" ہونے کے دعوے پر اس کے علاوہ اور کسی ثبوت کی ضرورت نہیں کہ اس نے انسان کو قرآن کی تعلیم دی (ملاحظہ ہو سورۃ ۵۵ آیت ۱، ۲)۔ اس نقطۂ نظر سے پوری کتاب ایک ہدایت نامہ ہے، جو انسان کو اللہ کا نائب "خلیفۃ اللہ" ہونے کی حیثیت سے جاری کیا گیا ہے، تاکہ انسان یہاں اپنے اعمالِ زندگی کو اس طرز میں ڈھال لے کہ دنیا میں بھی کامیابی حاصل کر سکے اور آخرت میں بھی راحتِ ابدی کا انعام پائے۔

ایک مذہبی کتاب کی حیثیت سے قرآنِ پاک کی ایک نمایاں خصوصیت اس ناقابلِ انکار حقیقت میں ہے کہ وہ انسانی نسل کی ہدایت کے لیے ربّانی الہامات کے نزول کے پورے عمل کو مصدق اور مکمل کرتا ہے۔ مشہور سورۂ مائدہ میں، جو آخری زمانے میں نازل ہونے والی سورتوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ پیغمبرؐ اسلام سے فرماتا ہے: —— "آج میں نے کامل کر دیا تمھارے لیے تمھارا دین اور میں نے پوری کر دی تم پر اپنی نعمت —— (سورۂ مائدہ آیت ۳)۔ اسی طرح سورۂ الاعلیٰ (سورۃ ۸۷، آیت ۱۸-۱۹) میں قرآنِ پاک یہ اعلان کرتا ہے کہ اس کے اندر جن حقائق کا ذکر ہے، وہ سابقہ صحائف میں بھی تھا یعنی ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں بھی۔ الہام کا سلسلہ بہت ہی قدیم زمانے سے شروع ہوا، جو عالمگیر مذاہب کے پیغمبروں کے ذریعے بنی نوع انسان کو پہنچایا گیا، گویا کہ یہ عمل مختلف زمانوں کا قسط وار عمل تھا تاکہ درمیانی وقفوں میں ان کی نشو و نما اور ترقی ہو۔

ہماری زندگی کی صورتِ حال ہی الہام کی ضرورت کو ثابت کرتی ہے۔ ہماری محدودیت ہی ربّانی امداد کی طالب ہے۔ ہماری زندگی مختصر ہے، ہماری صلاحیتوں اور تصوری قوتوں کی حدبندیوں کی وجہ سے ہمارے لیے یہ ناممکن ہے کہ ہم ربّانی امداد کے بغیر یہاں دنیا میں اپنے فرائض کو سمجھیں اور اپنے عمل کے لیے کوئی معقول اور صحیح منصوبہ بنائیں اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی زندگی کی بنیادی ضرورتیں بھی مہیا کرتے رہیں۔ الہام کی ضرورت کو معقول طور پر سمجھنے کے لیے صرف ان علانیہ واقعات کا خیال کر لینا کافی ہے کہ انسان اس خارجی ماحول کا کتنا پابند ہے، جس کے سانچے میں وہ ڈھالا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان کی زندگی کا قائم رہنا ہی غذا اور مکان پر منحصر ہے، جن کو بیرونی دنیا کے ذرائع سے خود اسی کو مہیا کرنا پڑتا ہے۔ اگر زمین اس کے لیے غذا پیدا نہ کرے تو پھر وہ زندہ ہی کیسے رہ سکتا ہے؟ اسی طرح انسان اپنے آپ کو ایک ایسی کائنات میں پاتا ہے، جو اس سے کروڑوں برس پہلے سے موجود ہے اور وہ یہ بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کے بعد بھی وہ باقی ہی رہے گی اور اس کو ساری چیزیں جوں کا توں چھوڑ کر رخصت ہو جانا پڑے گا۔ اس سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ انسان کے زندہ رہنے کے لیے کائنات کی ضرورت ہے، لیکن کائنات کی زندگی کے لیے انسان کی کوئی ضرورت نہیں! جس ناٹک میں اس کو اپنا کھیل دکھانا ہے اس ناٹک کا مطلب کیا ہے؟ بلکہ یہ بھی کہ اس کو اس ناٹک میں کوئی کھیل کھیلنا ہے بھی یا نہیں؟ اگر کوئی

کھیل کھیلنا ہی ہے تو وہ کوئی اہمیت رکھتا ہے یا بالکل بے نتیجہ بات ہے؟ اگر انسان کو اپنی زندگی اور اپنے وقت کا مفید مصرف نکالنا ہے تو اس کو اس قسم کے سوالات کے جوابات تلاش کرنے پڑیں گے۔ اس کو اپنی زندگی کے ختم ہونے سے پہلے یہ محسوس کرلینا پڑے گا کہ اس کی زندگی کے لمحات اس مقصد کی تکمیل کے لیے وقف ہیں، جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے، اگر واقعی کوئی ایسا مقصد ہے جس کی خاطر اس کی تخلیق ہوئی ہے۔ ان سوالات کے جوابات تلاش کرنے میں نہایت تجربے کار فلسفی بھی بڑے عرصے تک غور و فکر کرنے کے باوجود عاجز ہی رہے اور قائل کر دینے والے جواب حاصل نہ کر سکے۔ ان مسائل کو حل کرنے کے دوران میں انسانی زندگی کا دریا برابر بہتا رہا۔ ہر لمحہ جو گزرتا رہا وہ انسان کو تجربے اور امکانات کے نئے نئے میدانوں میں پھینکتا رہا۔ زندگی کا ایک المیہ یہ ہے کہ جو لمحہ گزرتا ہے وہ ہمیشہ کے لیے چلا جاتا ہے اور پھر کبھی واپس نہیں آتا۔ اس صورتِ حال میں انسان اپنے وجود کے قانون کی تکمیل کے لیے کیا چارۂ کار اختیار کرے؟ جب وہ قانون ہی کو نہیں جانتا تو کیا کر سکتا ہے؟ انسان اپنے آپ کو ایسی بے چارگی اور عاجزی کی حالت میں پاتا ہے کہ ہر طرف سے ایسے مشکل سوالات پیدا ہوتے رہتے ہیں، جن کا کوئی معقول جواب ہاتھ نہیں آتا۔ عجب اتفاق ہے کہ قرآنِ پاک بھی انسان کی اسی بے چارگی کا حوالہ دیتا ہے، چناں چہ کہتا ہے، "بے شک ہم نے پیدا کیا انسان کو مصیبت میں"۔ یہی مجبوری اور بیچارگی الہام کی ضرورت کی داعی ہوتی ہے۔ مذہب زندگی کے ان سوالات کے جوابات عالمگیر مذاہب کے پیغمبروں کی ذمّے داری پر مہیا کرتا ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ ہی کی رہنمائی حاصل رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اس کائنات کا مہربان پرورش کنندہ ہے اور وہی ساری خلقت کی رہنمائی بھی کرتا ہے۔

"کتابِ ہدایت" کی حیثیت سے قرآنِ پاک نے "ہدایت" کے تصوّر کے پورے مضمرات کی توضیح کر دی ہے۔ "ہدایت" کے لفظی معنی "رہنمائی کرنے" اور "راستہ دکھانے" کے ہیں۔ ۸۷ ویں سورت "الاعلیٰ" میں عمل ترقی اور نشو و نما کے ان تمام متعلقہ پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے، جن سے مخلوقات کو گزرنا پڑتا ہے۔

"تسبیح کر اپنے رب کے نام کی جو سب سے برتر ہے، جس نے (تمام چیزوں کو) پیدا کیا اور پھر (انھیں) ٹھیک بنایا۔ اور جس نے (ان چیزوں کا) اندازہ ٹھیرایا پھر راہ دکھائی" (سورۃ ۸۷، آیت ۱، ۲، ۳)۔ یہ "ہدایت" اپنے وسیع معنی میں "انواع" کی اندرونی ترقیوں کا اصول تسلیم کی جا سکتی ہے۔ کمتر انواع کے حیوانات کو "جبلّتیں" اور "حواس" دیے گئے ہیں۔ حواس کے ذریعے سے ان کی جبلّتیں ان کی زندگی کے توازن کو قائم رکھتی ہیں۔ دیکھنے، سننے، چھُونے اور سونگھنے کے حواس ہی سے وہ اپنے آپ کو اپنے ماحول کے مطابق بنا لیتے ہیں اور پھر اپنی نوع کی افزائش نسل کرتے ہیں۔ انسان کے معاملے میں اس "ہدایت" کے دائرے میں اللہ کا اس کو "تعقل" کا عطا کرنا بھی آجاتا ہے۔ "تعقل" ایک طرح کی ایسی صلاحیت ہے، جو انسان کے اندر کی حیوانی جبلت کے اظہار کو قابو میں رکھتی ہے اور اسے اپنے حدود سے آگے بڑھنے نہیں دیتی۔ جبلّت پر تعقل کے اسی اقتدار کے ذریعے انسان اپنی ادنا فطرت کو ابھرنے اور بے لگام ہونے نہیں دیتا اور انسان کو ایک برتر درجہ حاصل کر لینے کا موقع مل جاتا ہے۔ تعقل بے شک ایک بہت بڑا عطیہ ہے، مگر وہ کافی نہیں ہے، کیوں کہ تعقل کا دائرۂ عمل، حواس کی مرتّب کردہ جبلّی زندگی تک محدود ہے۔ تعقل کا دائرہ ایک محدود دائرہ ہے۔ اس دائرے کے باہر قدم رکھنا خطرناک ہے۔ اس لیے پیغمبروں نے الوہیت کی جانب سے ہدایت کی ایک نئی شکل انسانوں تک پہنچائی۔ ہدایت کی یہ نئی شکل پیغمبروں کے ان احکام کی صورت میں ہے جن کی انسان پابندی نہ کرے تو کائنات سے ٹکراتا رہے گا، نہیں، بلکہ خود اپنی اندرونی قوتوں سے برسرِ جنگ رہے گا۔ اس ہدایت سے مسلح ہونے کے بعد انسان تعقل کے اس تنگ دائرے سے باہر نکل آنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اسی ہدایت کی بدولت انسان اپنی مکمل تقدیر کا تصور کر سکتا ہے اور عالم گیر مذاہب کے پیغمبروں کی پہنچائی ہوئی الہامی صداقتوں کی روشنی میں اپنے بنی نوع

کے انفرادی اعمال کی تنظیم کر سکتا ہے۔ یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ ہدایت کے یکے بعد دیگرے رونما ہونے والے پہلو سابقہ پہلو کے دائرۂ عمل کو محدود کر دیتے ہیں۔ اس طرح حواس جبلتوں کی اصلاح کرتے ہیں۔ تعقل حواس کی اصلاح کرتا ہے اور الہامی صداقت خود تعقل کے عمل کی اصلاح کرتی ہے۔ پیغمبرانہ شعور انسان کے لیے بلند تر صداقت کی عکاسی کرتا ہے، جس پر غیر ہدایت یافتہ تعقل کو رسائی حاصل نہیں ہوتی۔ انسان کو ان حدود سے آگاہ کر دیا گیا ہے، جن کے اندر رہنا اس کی سلامتی کے لیے ضروری ہے۔ اس کو ان چیزوں کا منصوبہ دکھایا اور سمجھا دیا گیا ہے، جس کے اندر اس کو اپنی جدوجہد جاری رکھ کر اپنے مقصد تخلیق کی تکمیل کرنی ہے۔ اس لیے تعجب کی بات نہیں کہ قرآن پاک کا یہ ارشاد ہے: "بے شک انسان کو راستہ دکھانا ہمارا ہی کام ہے اور بے شک مستقبل بھی ہمارا ہی ہے۔ اور ماضی بھی ہمارا ہی ہے"۔ (سورۃ ۲۲ آیت ۱۳، ۱۴) اسی طرح آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے:

"اور جنھوں نے ہمارے بارے میں جدوجہد کی، ہم ضرور دکھائیں گے انھیں اپنے راستے اور بے شک اللہ نیکو کاروں کے ساتھ ہے۔" (سورۃ ۲۹، آیت ۶۹) ہدایت ربانی انسان کے انحصار کا ذکر ان آیتوں سے بھی زیادہ واضح انداز میں حسب ذیل آیتوں میں کیا گیا ہے: "کہہ دے، بے شک اللہ کی ہدایت ہی سچی ہدایت ہے، اور ہمیں حکم ہے کہ ہم فرماں بردار رہیں جہانوں کے پروردگار کے۔ سورۃ ۶ آیت ۷۱)۔ پھر ایک دوسرا ارشاد ہے "مگر جب تک وہ تمھارے دین کی پیروی قبول نہ کرلیں، نہ یہودی تم سے مطمئن رہیں گے اور نہ عیسائی۔ کہہ دے، بے شک ہدایت تو خدا ہی کی طرف سے ہوتی ہے اور وہی ہدایت سچی ہدایت ہے (سورۃ آیت)

اس طرح مسائل زندگی کے حل کی کام یاب دریافت کے لیے دو اہم ترین ضرورتیں نظر آتی ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ کہ انسان کی روح میں ایک سوال پیدا ہو، انسان کے اندر مسائل حیات کے حل کی تلاش کے لیے ایک تڑپ پیدا ہو اور اللہ تعالیٰ سے راستہ دکھانے کے لیے دلی دعا نکلے۔ اسی ضرورت کی تکمیل کی وجہ سے ان علما نے سورۂ فاتحہ کو اتنی اہمیت دی ہے، جنھوں نے قرآن کی حکمت عملی کا بڑے گہرے غور و فکر سے مطالعہ کیا ہے۔ اس سورۃ کے مطابق ہر شخص کو یہ دعا کرنی پڑتی ہے: "ہمیں راہ دکھا۔" دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ "ہمیں ہدایت دے۔" اگر کسی انسان کی روح پاک ہے اور وہ خلوص کے ساتھ "ہدایت کے لیے دعا مانگ کر قرآن کی وہ آیتیں پڑھنا شروع کر دے جو اسے یاد ہیں تو وہ اپنے سوال کا جواب پا لے گا۔ اور دوسری ضرورت یہ ہے کہ اگر کوئی راستہ دکھایا جائے تو انسان اس پر چلنے کا عزم بھی رکھتا ہو۔ اگر ایسا انسان دکھائے ہوئے راستے کے اس چھوٹے سے حصے پر بھی نہ چلے گا تو اس پر پورا راستہ ظاہر نہیں کیا جائے گا۔ سچائی کو قبول کرنے کی صلاحیت کا انحصار کلی طور پر انسان کی اس کوشش پر ہے جس کو وہ حاصل ہونے والی سچائی کو قبول کرنے میں کام میں لاتا ہے۔ ایسا شخص جو راستے کو دیکھتا ہے، مگر اس پر چلتا نہیں، ظاہر ہے کہ جہاں کھڑا ہے وہیں رہے گا۔ درحقیقت قانون تو یہی ہے۔ ایسے شخص کو راستے کا اگلا حصہ نظر ہی نہیں آ سکتا۔

مذہب کی حکمت عملی ٹھیک اسی انداز کی ہے۔ انسان اسی اصول پر کاربند ہو کر اپنے مقصد تک پہنچانے والا راستہ پا سکتا ہے۔ انسان سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ اپنی کم زور طاقتوں کی دھندلی روشنی میں اپنا راستہ خود تلاش کر لے گا۔ وہ اس راستے پر چلنے کی پوری طاقت اور میلان بھی نہیں رکھتا۔ عالم گیر مذاہب کے پیغمبروں کے ذریعے اس کو جو الہامی صداقت عطا کی گئی ہے، وہ اس صداقت پر پورا ایمان رکھتا ہے کہ وہ اس سلسلے میں اس کی مدد کرے گی۔ اس کی اپنی فطرت کی رسائی کچھ اس قسم کی ہے کہ وہ زندگی کے بنیادی مسائل کے حل کرنے میں کوئی مدد نہیں کر سکتی۔

جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے، الہام ربانی کا طریقۂ کار اس پیغام الٰہی میں مسطور ہے جس کو پیغمبر اسلامؐ نے پوری نوع انسانی کے لیے پہنچایا ہے۔ یہ بات اس حد تک سچ ہے کہ مذہب خود نسل انسانی کی تعلیم مہیا کرتا ہے۔ انسان نے ترقی پائی اور اپنے ارتقا کے مختلف پہلوؤں

کا شاہد رہا۔ مختلف پیغمبروں نے اپنی اپنی قوموں کو مختلف پیغام پہنچائے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انسانیت مختلف خطوں میں مختلف حالات میں بٹ چکی تھی اس لیے خاص خاص قوموں کو تاریخ کے خاص خاص ادوار میں پیغامات پہنچائے گئے۔ انسان کی ترقی کی رفتار اسی قسم کی تعلیم سے بڑھائی جاسکتی ہے۔ اسلام سے مذہب کی تکمیل ہوئی۔ بالفاظ دیگر، الہامی پیغاموں کا سلسلہ اسلام پر ختم ہوگیا اور الہامی پیغام پر عمل کرنے اور اس کے نتائج کے دیکھنے کا زمانہ شروع ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدا کے تمام صحیفوں میں پیغمبر اسلام کی پیشین گوئیاں پائی جاتی ہیں۔ بائبل کے پڑھنے والے یہ جانتے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا: "مجھے تم سے بہت کچھ کہنا ہے، لیکن تم ان کو سمجھنے کی ابھی صلاحیت نہیں رکھتے۔ وہ تمھیں مکمل صداقت کی طرف رہ نمائی کرے گا، کیوں کہ جو کچھ کہے گا، اپنی طرف سے نہیں کہے گا بلکہ وہ جو کچھ سنے گا، وہی بیان کرے گا۔" اس کے علاوہ "عہد نامۂ جدید" بھی اسی سچائی کی تصدیق کرتا ہے، "جس کو آسمان قیامت کے وقت تک قبول کرے گا، ان تمام باتوں کے متعلق جن کو خدا نے دنیا کے آغاز سے اپنے تمام مقدس پیغمبروں کی زبان سے کہا ہے (ایکٹس ۳، آیت ۲۱، ۲۲)

خود قرآن بھی اس کا حوالہ کا سورۃ ۶۱ آیت ۶ میں ذکر کرتا ہے کہ ـــ "اور جب کہا عیسٰی ابن مریم نے اے بنی اسرائیل، بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تمھاری طرف تصدیق کرنے والا اس کی جو مجھ سے پہلے ہے تورات (میں) اور خوش خبری دینے والا ہوں ایک رسول کی جو آئے گا میرے بعد اس کا نام "احمد" ہوگا۔

اسلام کے اس بنیادی عقیدے کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ پیغمبر اسلام "آخری" پیغمبر ہیں۔ اس طرح قرآن پاک احکام ربّانی کے سب سے آخری الہامی پیغام کا حامل ہے۔ نوعِ انسان کی طرف پیغمبر اسلام کے آجانے کے بعد ربّانی پیغامات کا سلسلہ ہی بند ہوگیا، اس لیے کہ اسلام انسانی تاریخ کے اس پہلو کی نشان دہی کرتا ہے جو انسانی فرد کے بلوغ کے دور سے مطابقت رکھتا ہے۔ قرآن پاک کی اس ممتاز خصوصیت کے متعلق کہ وہ انسانیت کے پوری طرح بالغ شدہ افراد سے خطاب کرتا ہے، چند باتیں یہاں پیش کی جاتی ہیں، جن سے قرآن پاک کی اس شان دار حکمت عملی کی توضیح ہوتی ہے، جس کے ذریعے اس نے دنیا میں نوعِ انسانی کو اخلاقی اور ذہنی حیاتِ نو بخشی۔

قرآن پاک کے اسی دعوے سے کہ وہ ایک کتاب ہدایت ہے، یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ وہ "عہد نامۂ قدیم" کی طرح "احکام عشرہ" کی سی کتاب نہیں ہے۔ پیغمبرؐ اسلام کو اس پر مامور کیا گیا تھا کہ وہ انسانوں کی تطہیر کرکے کتاب اللہ کی تعلیم دیں، تاکہ وہ حکمت سیکھیں اور یہی ان کا مقدّر ہے (سورۃ ۲۔ آیت ۱۲۹، ۱۵۱ اور ـــ سورۃ ۳، آیت ۱۶۴) پیغمبرؐ اسلام کا کام تنبیہ کرنے کا بھی تھا اور رہ نمائی کرنے کا بھی۔ قرآن پاک نیک و بد کے انتخاب کی ذمہ داری پوری طرح بلا اشتباہ لوگوں پر ڈال دیتا ہے۔ اس کا ارشاد ہے:"

"کیا ہم نے تمھیں دونوں راستے نہیں بتا دیے ؟" ـــ ایک راستہ آسان ہے اور دوسرا مشکل ہے۔ قرآن پاک اس کا بھی اعلان کرتا ہے کہ انسان اپنے اعمال کے سوا کسی چیز کا مالک نہیں ہے اس کو اپنے اعمال کے لحاظ سے جانچا جائے گا۔ کیا اس سے یہ بات مترشح نہیں ہوتی کہ قرآن پاک یہ تسلیم کرتا ہے کہ انسان اپنے ارتقا کی اس منزل پر پہنچ چکا ہے جہاں سے صحیح اور غلط میں امتیاز کر سکتا ہے۔ قرآن پاک کو "فرقان" بھی کہا جاتا ہے، جس کا مطلب صرف یہی ہے کہ یہ وہ کتاب جو امتیاز کرنے میں مدد دیتی ہے یعنی اقدار کے وزن کا امتیاز اور یہ ظاہر کرتی ہے کہ کون کون سی قدریں اچھی، بہتر اور بہترین ہیں اور کون کون سی بُری، بدتر اور بدترین ہیں۔ قرآن پاک کی یہ تمام باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ قرآن ایسے لوگوں سے مخاطب ہے جو امتیاز کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

جدید دنیا پر قرآنی پیغام کی لابدی ضرورت کو ظاہر کرنے کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ایک ایک کر کے موجودہ زمانے کے عمدگی کے معیاروں کو لیا جائے، یعنی ان اقدار اور مقاصد کو جن کو دورِ حاضر کی انسانیت کا تعلیم یافتہ طبقہ قبول اور نمایاں کرتا ہے۔ اس کے بعد یہ سوال کیا جائے کہ ان اقدار ومقاصد کی پیدائش کہاں ہوئی؟ یہ کہاں سے آئے اور خاص طور پر یہ سوال پوچھا جائے کہ آیا یہ تمام اقدار ومقاصد قبل اسلام کی کسی مذہبی تعلیمات میں بھی پائے جاتے ہیں یا ان کو قابلِ تعریف بنایا گیا ہے۔ اگر ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ دورِ حاضر کے مقاصد اور اقدار کسی مہذب آدمی کی نظر میں اس قابل ہیں کہ انھیں قبول اور اختیار کیا جائے اور وہ پہلی مرتبہ اسلام نے الہامی طریقے پر پیش کیے۔ تب تو یہ واقعہ کہ وہ چودہ سو برس کے بعد بھی وہی پیغام اصولاً اب تک رائج ہے اس بات کا کامل ثبوت ہوگا کہ قرآن دنیا کے سامنے جو دعوا کرتا ہے، وہ آج بھی قابلِ قبول ہے۔

اگر منفی طور پر یہ کہا جائے کہ قرآنی پیغام آج از کار رفتہ ہو چکا ہے یا یہ کہ چند نئے اقدار ومقاصد دورِ حاضر میں رائج ہو گئے ہیں، جن پر قرآن نے زور نہیں دیا تب ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن ایک وقتی کتاب تھی اور اس کا پیغام اب از کار رفتہ ہو چکا ہے۔

اگر مجھ سے یہ پوچھا جائے کہ انسانیت کا تعلیم یافتہ طبقہ کن اقدار کو اس بیسویں صدی کے وسط میں قابلِ قبول سمجھتا ہے تو میں ان کو حسبِ ذیل سلسلے میں پیش کروں گا:۔

(۱) انسانی برادری کی بنیادی مساوات

(۲) آزاد تحقیقات کا جذبہ اور سائنسی معلومات کی اہمیت

(۳) مذہبی رواداری پر عمل درآمد

(۴) عورت کی آزادی اور مرد سے اس کی روحانی مساوات

(۵) ہر قسم کی غلامی سے آزادی

(۶) جسمانی محنت کا وقار

(۷) نوعِ انسانی کے واحد ہونے کا جذبہ جو رنگ، نسل وغیرہ کے امتیازات سے مبرا ہو اور اخلاقی اور روحانی اصولوں کی بنیاد پر نوعِ انسانی کا اتحاد۔ ایسے غرور وتکبر کا ازالہ جس کی بنیاد رنگ، دولت وغیرہ کی برتری پر ہو۔

۸۔ نفس کشی کے فلسفے کا ترک

دورِ حاضر کے انسان کے اس ایجنڈے کی ہر مد اولوالعزمانہ اور شریفانہ کوشش ہے۔ میں یہ عرض کرتا ہوں کہ ان تمام مدوں کی قرآن کے مختلف احکام سے کامل اور مکمل طور پر حمایت ہوتی ہے اور پیغمبرِ اسلام نے جس طرح اپنی زندگی بسر کی اس سے ایک مثال قائم ہوتی ہے:۔

پیغمبرِ اسلام کو غیر معمولی حیثیت اس لحاظ سے حاصل ہے کہ آپؐ انسان بھی ہیں اور پیغمبر بھی۔ قرآن پاک بار بار آپ سے یہ کہلواتا ہے کہ دوسرے انسانوں کی طرح آپؐ بھی ایک انسان ہیں الا اس کے کہ جبرئیل امین آپ کو وحی پہنچاتے ہیں۔ آپ ہی ایک انتہا پیغمبر ہیں جنھیں معجزہ دکھانے کی کوئی خواہش نہیں تھی، بلکہ آپؐ تو معجزہ نہ دکھانا ہی اپنے لیے طغرائے امتیاز قرار دیتے ہیں۔ آپؐ کسی الوہی نسل سے ہونے کا دعوا نہیں کرتے۔ آپؐ صرف ایک معمولی انسان بننے سے مطمئن ہیں۔ آپؐ نے نہایت دیانت دارانہ زندگی بسر کی اور ساری زندگی سرگرم عمل رہے۔ اپنی آخری عمر تک آپؐ ایک بلند معیارِ اخلاق پر قائم رہے اور انسانی وقار کے ساتھ زندگی بسر کی۔ آپؐ ایک قابل

اور نڈر سپاہی ہیں، ایک محبت کرنے والے شوہر ہیں۔ ایک قابلِ اعتماد دوست ہیں اور ایک عقل مند حکمران ہیں۔ آپؐ نے ہر لحاظ سے زندگی کے تقدس کو برقرار رکھا۔ آپؐ نے ساری زمین کو عبادت گاہ بنایا۔ آپ اس بات کی تردید کرتے ہیں کہ عرب کسی غیر عرب پر کوئی برتری رکھتا ہے یا کوئی غیر عرب کسی عرب پر فائق ہے۔ آپؐ انسانی روح کی بلندی، برتری اور رفعت کے لیے صرف ایک فیصلہ کن معیار مقرر کرتے ہیں، جو اپنے آپ پر قابو رکھنے اور راست بازی سے عمل کرنے پر منحصر ہے۔ یہاں تک کہ جب آپ پورے عرب کے حکمراں بن گئے تب بھی اپنی سادہ زندگی اور پرانے طریقوں کو ترک نہیں کرتے اور اپنی ذات پر اور اپنے پیرووں پر یہ لازم گردانتے ہیں کہ وہ ضرورت مند ان کی ضرورت کی چیزیں دیا کریں۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ اس طرح دو کہ تمھارے بائیں ہاتھ کو یہ معلوم نہ ہو کہ تمھارے دائیں ہاتھ نے کیا دیا۔ آپ اپنے پیرووں کو ترکِ دنیا کی ممانعت کرتے ہیں۔ حقیقت میں خدا ہر جگہ ہے اور اس کی زمین بہت وسیع ہے اور انسان کو ہر جگہ اس کی اطاعت کرنی چاہیے۔

تعلیمی عمل کو قرآن جو اہمیت دیتا ہے، وہ کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے۔ اس کتاب کا آغاز ہی پڑھنے کے حکم سے ہوا، "پڑھ! اس رب کے نام سے جس نے سب کو پیدا کیا۔ پیدا کیا انسان کو خونِ بستہ سے۔" (سورہ ۹۶، آیت ۱، ۲) "پڑھ! اور تیرا رب سب سے بڑھ کر کرم کرنے والا ہے، جس نے سکھایا قلم سے (سورہ ۹۶، آیت ۳، ۴)۔

سیاہی اور قلم اور جو کچھ ان سے لکھا جاتا ہے قرآن میں اُن اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ (سورہ ۶۸ آیت ۱)

قرآن پاک تفکّر، تعمق، تعقل اور تفحص کی بار بار دعوت دیتا ہے۔ ایک طرح سے یہ کہنا کوئی مبالغہ نہ ہو گا کہ ساری کتاب میں اس طریقِ کار اور تیکنیک کی طرف رہنمائی کی گئی ہے، جن کے ذریعے انسان کتابِ فطرت کو پڑھ سکتا ہے اور اپنے اندر الوہی علامتوں کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ تمام کائنات ایک ہے اور انسان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس کو غور سے دیکھے اور اس سے سبق حاصل کرے۔ قرآن پاک بار بار ہم کو یہ حکم دیتا ہے کہ ہم فطرت کے مختلف حادثات کو بہ نظرِ غور دیکھیں اور ہمیں للکارتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی تخلیق پر ایک نظر ڈالیں اور تلاش کریں کہ اس میں کوئی سقم بھی موجود ہے۔ وہ اس پر قناعت نہیں کرتا کہ ہم کائنات پر ایک ہی نظر ڈالیں، بلکہ یہ دعوت دیتا ہے کہ ہم اس پر دوسری نظر بھی ڈالیں۔ قرآن کے مطابق "بلاشبہ ہماری نگاہ تھک کر لوٹ آئے گی اور ہم اس مالک کی تخلیق میں کوئی سقم نہیں پا سکیں گے۔" (سورہ ۶۷، آیت ۳، ۴) اس کے بعد ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم فطرت کی ہم آہنگی میں تبدیلیوں کو بہ غور دیکھیں جن میں ہمارے رب کی نشانیاں ہیں۔ مثلاً رات اور دن ایسے ہیں جیسے ایک دوسرے کا پیچھا کر رہے ہوں۔ ہمیں یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ اس کا بھی مطالعہ کریں کہ بارش سے مردہ زمین کس طرح زندہ ہو جاتی ہے۔ ہمیں موسموں کی تبدیلی اور چاند اور سورج کی گردش پر بھی غور کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔ قرآن پاک کی تیرھویں سورت کی تیسری اور چوتھی آیت میں یہ بھی ارشاد ہے کہ سوچنے والے لوگوں کے لیے فطرت کے اندر بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔ قرآن پاک کا اپنے معجزانہ الفاظ میں ارشاد ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے زمین پھیلائی اور اس پر مضبوط پہاڑ جمائے اور ندیاں جاری کیں اور تمام پھلوں کو اس نے دُو دُو کا جوڑا پیدا کیا۔ اس نے رات کو اس قابل بنایا کہ دن پر چھا جائے۔ یقیناً اس میں سوچنے والوں کے لیے نشانیاں موجود ہیں۔ زمین پر پاس پاس ایسے قطعات موجود ہیں، جن میں انگوروں کی بیلیں ہیں، غلّہ ہے، کھجور کے درخت ہیں، بعض ایک جڑ سے اور بعض علیحدہ علیحدہ جڑوں سے پیدا ہوتے ہیں، وہ سب ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں اور ان میں سے ہم (چند درختوں کو) دوسروں سے زیادہ میوہ پیدا کرنے کے قابل بنا دیتے ہیں۔ بے شک سمجھنے والوں کے لیے ان میں نشانیاں موجود ہیں۔

اِسی مسلسل دعوت کا نتیجہ فطرت کا مشاہدہ اور اس کے اسرار کو سمجھنا تھا، جس نے اسلام کے ابتدائی زمانے کے عربوں کو سائنس اور سائنسی طریقوں کا پیش رو بنایا۔ آج کل انسانی ثقافت کے مورخ ہر چیز کو اس طرح سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں جیسے عربی سائنس کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ ہمارے لیے ہر چیز یونانیوں نے دریافت کی تھی۔

یورپین ثقافت اور تہذیب کے اخلاقی اور ذہنی ثمرات کا سرچشمہ اس کے علاوہ کہیں اور تھا، جس کو محقق علما عام طور پر قرار دیتے ہیں۔ یورپ کی تہذیب خود پروٹسٹنٹ تحریک کے بعد کی پیداوار ہے۔ آج یورپ کے اسکول کے ہر پڑھنے والے لڑکے کو یہ یقین دلایا جاتا ہے کہ اصلاحِ مذہب (ریفارمیشن) کی تحریک نشاۃ ثانیہ کی تحریک کا نتیجہ تھی اور نشاۃ ثانیہ کے متعلق یہ فرض کیا جاتا ہے کہ قسطنطنیہ کی ترکی فتح کے بعد تحریک احیاء العلوم کے باعث رونما ہوئی۔ بہرحال یورپ کے تاریک دور کا یک لخت خاتمہ ہو گیا اور نشاۃ ثانیہ کی روشنی پھیل گئی۔

یہ تمام باتیں مہذب یورپ اور امریکا کی یونی ورسٹیوں میں آزاد تعلیم کے نام سے پڑھائی جاتی ہیں اور خود اس نشاۃ ثانیہ کی اصلیت کے مطابق ہر قسم کی غلط توضیحیں موجود ہیں اور نئی نئی تراشی جاتی ہیں لیکن ڈاکٹر رابرٹ بریفاٹ (DR. ROBERT BRIFFAUT) کی تاریخی تجزیے کی ایک دیانت دارانہ کوشش ظاہر کرتی ہے کہ

"پندرھویں صدی میں عربی اور مسلم اثرات کی وجہ سے حقیقی نشاۃ ثانیہ رونما ہوئی۔ اِٹلی نہیں، بلکہ اسپین یورپ کی نئی زندگی کا گہوارہ تھا۔ آہستہ آہستہ بربریت کے غار میں گرتے گرتے یورپ کی قومیں جہالت اور ذلت کی تاریک ترین گہرائی میں جا پڑی تھیں۔ اس زمانے میں اِسلامی دنیا کے شہر بغداد، قاہرہ، قرطبہ، طلیطلہ، تہذیب اور ذہنی سرگرمیوں کے ترقی پذیر مرکز تھے۔ یہی شہر تھے جہاں نئی زندگی پیدا ہوئی، جو بعد میں نشو و نما پا کر انسانی ارتقا کا ایک نیا پہلو بن گئی۔ جس وقت سے ان شہروں کی ثقافت کے اثرات محسوس ہونے لگے، تب سے ایک نئی زندگی کی حرکت شروع ہوئی۔"

"اغلب یہ ہے کہ عربوں کے بغیر یورپ کی جدید تہذیب کبھی ترقی ہی نہیں کر سکتی تھی۔ یہ بات تو قطعی یقینی ہے کہ یہ کبھی اس وضع کی نہ ہوتی کہ ارتقا کے سابقہ تمام پہلوؤں پر سبقت لے جا سکتی، اگرچہ یورپ کی ترقی کا ایک بھی پہلو ایسا نہیں ہے، جس میں اسلام کا فیصلہ کن اثر نہ پایا جاتا ہو اور یہ اثر اتنا واضح اور نمایاں اور کہیں نہیں جتنا کہ جدید دنیا کی سب سے نمایاں طاقت اور اس کی فتوحات کے سب سے بڑے چشمے یعنی نیچرل سائنس اور سائنسی اسپرٹ میں موجود ہے۔" (ملاحظہ ہو ڈاکٹر رابرٹ بریفاٹ کی کتاب "تعمیرِ انسانیت"، ص ۱۸۸ تا ص ۱۹۰)

جدید یورپ کے صرف ذہنی ارتقا ہی میں اسلام کا اثر مانا اور سمجھا جا سکتا ہے۔ یہی مصنف کہتا ہے کہ "اسلام کی ذہنی ثقافت کے اثرات کے ساتھ ساتھ ایک اخلاقی ارتقا بھی رونما ہوتا رہا، جو مذکورہ بالا اثرات سے کسی طرح سے کم نہیں، عیسائی یورپ کی وحشیانہ عدم رواداری حقیقت میں اس رواداری کے مقابلے میں زیادہ باعثِ اشتعال تھی، جو مذہب کا امتیاز نہ کر کے عیسائی اور یہودی دونوں پر یکساں طور پر اعزاز اور عہدے عطا کرتی تھی اور جس کے اصولوں کو "تین انگوٹھیوں" کی کہانی سے بکاکشیو اور لیسنگ نے مقبولِ عام بنایا ہے۔ جن سمجھ دار لوگوں کا اسلامی تہذیب سے واسطہ پڑا ان میں دُور رس اثرات سرایت کیے بغیر نہ رہے۔ اور بربریت پسند یورپ اس سے متاثر ہونے کا اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ اس کو اسپین کے بہادروں اور المنصور کے سے خوف ناک لیکن شریف سپاہیوں کے (جس کا یہ بیان تھا کہ اگرچہ اس نے بہت سے دشمنوں کو جنگ میں قتل کیا، لیکن کسی کی ہتک نہیں کی) بلند، وسیع الخیالی اور بہادری کے معیاری نمونے سے اسی بربریت پسند یورپ کو بڑا سخت ٹھونک لگا اور اس نے مسلمانوں کی برابری یا ان سے برتری حاصل

کرنے کا عزم کرلیا۔ بہادری کے نصب العین اور وقار کو اگر بیسویں صدی کا انگلستان پیش نظر رکھتا تو فائدے میں رہتا۔ لفنگے صلیبی سپاہیوں کو صلاح الدین کی بہادری، اس کی فیاضی اور شان دار کردار نے شرمندہ کر دیا تھا اور بہادری کی ایک بڑی صفت منصبی بلند اخلاقی کی روایت قائم ہوگئی تھی۔ شاعری اور افسانوں پر عربی خیالات کا گہرا رنگ چڑھ گیا۔ اس زمانے میں بھی غیر مذہبی ادب تھا، جس کی خوب اشاعت ہوتی تھی اور عوامی تخیّل متاثر ہوتا تھا۔ اسلامی دنیا کے پروونس کے درباروں سے عورتوں کے وقار اور مرتبے کا ایک نیا تصور یورپ میں پھیل گیا۔ پرووِنس میں عورت مرد کی ذہنی دل چسپیوں اور خوشیوں میں حصہ لیتی تھی۔ اِس طرح اگرچہ اِس بات سے ذہنوں کو بڑا دھکا لگے گا کہ ہمارے روایتی خیالات کے لیے ایک معمّا ثابت ہوگا اگر یہ خالص سچائی بیان کی جائے کہ یورپ کے حقیقی علمی اور ٹھوس اخلاق کو اسلام نے اتنا زیادہ فائدہ پہنچایا جتنا کہ اخلاقیات کے بلند تر عقیدے کو پہنچایا تھا۔ (ملاحظہ ہو تعمیرِ انسانیت صفحات ۳۰۷ تا ۳۰۹)۔

اِسی طرح قبل اسلام کے دَور میں عورتوں کی حیثیت اتنی افسوس ناک تھی کہ جدید انسان کو یہ سمجھانا مشکل ہے کہ اسلام نے اس میں کتنی تبدیلی کر دی۔ اسلام نے عورت کی عزت و تکریم کرنے کی ضرورت پر انسانیت کو نئے احکام کا پابند بنایا۔ عربوں میں یہ رَواج ہو چلا تھا کہ اپنے گھروں میں لڑکی کی پرورش کو گوارا نہیں کرتے تھے۔ وہ لڑکیوں کو اپنے بلند مرتبے کے لیے باعثِ ذلت سمجھتے تھے۔ وہ انھیں زندہ دفن کر دیتے تھے۔ اسلام نے اس کی سخت ممانعت کر دی۔ میراث کے متعلق جو قانون رائج کیا گیا اس کی رُو سے لڑکی کو اپنے بھائی کا حصے دار بنایا گیا۔ یہ بات اس وقت کتنی عجیب نظر آتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ تہذیب یافتہ انگلستان میں بھی ۱۹۲۲ء تک بھی کوئی شادی شدہ عورت کسی جائداد کی مالک نہیں بن سکتی تھی۔ اسلام نے عورت کو نہ صرف جائداد میں ورثہ پانے کا حق عطا کیا، بلکہ وہ اپنے شوہر کے مقابلے میں جائداد کی مالکہ بھی بن سکتی ہے۔ یہ حق یہاں تک وسعت رکھتا ہے کہ اگر اس کا شوہر اس کی جائداد کو خرد برد کرنے کا مرتکب ہو تو عورت محض اسی بنا پر شوہر سے طلاق حاصل کر سکتی ہے۔ بیوہ کو اپنے شوہر کی جائداد میں حصہ پانے کا حق حاصل ہے۔ شوہر کو اپنی بیویوں کے حقوق تسلیم کرنے پڑتے ہیں۔ اس کے متعلق سورت ۲ آیت ۲۸۸ تا ۲۹۶ اور سورت ۴ آیت ۳۴، آیت ۵۶۸، ۵۷۰، ۵۷۲ میں واضح احکام موجود ہیں۔
چودہ سو برس پہلے عورت کو طلاق حاصل کرنے کا حق دیا گیا تھا، جب کہ عیسائی دنیا کے مذہبی قانون کے تحت عورت کا طلاق حاصل کرنا ناممکن تھا۔ جدید غیر مذہبی قوانین نے عیسائی ملکوں میں طلاق کے حق کو تسلیم کرلیا ہے، جو گویا اس مسئلے میں قرآن کی حکمت بالواسطہ تسلیم کرلینا ہے۔

ایک زمانہ تھا جب کہ عورتوں کے متعلق یورپ میں یہ کہاوت عام تھی کہ مرد خدا کے لیے اور عورت اس خدا کے لیے جو اس کے شوہر کے اندر موجود ہے، لیکن اسلام نے عورت کی آزاد شخصیت کو مان لیا اور وہ راست خدا کے سامنے جواب دہ قرار دی گئی ہے۔ قرآن نے عورت کا اتنا احترام کیا ہے کہ اس کی ایک سورت ہی کا نام النساء (عورت) ہے اور عورت کی حیثیت اور وقار کے متعلق بہت سے حوالے موجود ہیں۔ یہ بات عورت کی قبلِ اسلام حیثیت کے بالکل متغائر اور برعکس ہے۔ اگر اس موضوع کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ قرآنی تعلیمات میں عورت کی جو حیثیت مقرر کی گئی ہے، وہ دنیا کے کسی بھی خطے میں عورت کی موجودہ حیثیت سے بلند تر ہے۔ تاریخ میں عورتوں کی آزادی کے سلسلے میں جو کامیابیاں حاصل کی گئیں، ان کے متعلق میں یہی عرض کروں گا کہ وہ قرآن کے اثرات کا نتیجہ ہے۔
اِسی طرح اسلام نے دورِ غلامی کو ختم کرنے پر کمر باندھی۔ غلاموں کو آزاد کرنا اسلام نے انتہائی اعزاز قرار دیا گیا ہے (سورۃ ۹، آیت ۱۳)۔ انسان کی آزادی کے متعلق قرآن میں اِتنی وسعت کے ساتھ بحث کی ہے کہ قرآن کو انسانی آزادی کا منشور قرار دیا جا سکتا ہے۔ قرآن نے اعلان کیا ہے کہ اِنسان آزاد ہے۔ اس کا خدا سے اتنا راست تعلق ہے کہ اس نے مذہبی پیشواؤں کو بھی درمیان سے نکال پھینکا،

لیکن انسان جب تک سیاسی، معاشی، معاشری اور مذہبی استحصال سے آزاد نہ ہو خدا کی عبادت آزادی کے ساتھ کس طرح کر سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ ہم سے قریب ہے۔ پس اس کی مرضی کو ہم پر کوئی دوسرا کس طرح واضح کر سکتا ہے۔ آزادی کے ساتھ اللہ کی عبادت کرنے کے لیے انسان کو آزاد بنانا ضروری ہے۔

آج کی ساری دُنیا مذہبی رَواداری کی قائل ہے اور مذہبی اور ذہنی رواداری کے جو بھی نصبُ العین دنیا کے مہذب ملکوں میں رائج ہیں، وہ سب اِنسان کے اس پیدائشی حق کو تسلیم کرتے ہیں کہ انسان اپنی کمزوریوں اور قوتوں اور ذرائع کے مطابق جس نصبُ العین کو چاہے اپنے سامنے رکھ سکتا ہے۔ جہاں تک میں جانتا ہوں قرآن ہی ایک ایسی مذہبی کتاب ہے، جو ایک طرف تو پیروانِ اسلام کو ملائم الفاظ سے ترغیب دے کر اپنا مذہب پھیلانے کا حکم دیتی ہے، لیکن ساتھ ہی دوسری طرف دوسرے مذہب کے عقائد اور اعمال سے عدم رواداری کی ممانعت کرتی ہے۔ وہ صاف طور پر یہ کہتی ہے کہ مذہب کے مقابلے میں کوئی چیز نہیں اور وہ پیغمبر اسلام کو یہ کہنے کی ہدایت کرتی ہے: "تمھارا خدا اور میرا خدا، وہی ایک خدا ہے"۔ لیکن جب دلائل کے باوجود مخالفینِ اسلام اس کو سننا اور سمجھنا نہیں چاہتے تو مسلمان کو یہ کہنے کا حکم دیا گیا ہے، جیسا کہ پیغمبر اسلام نے اپنے مخالفین سے کہا تھا: "تم کو تمھارا دین (مبارک) اور مجھے میرا دین"۔ اس معاملے میں قرآن اِس حد تک جاتا ہے کہ وہ اعلان کرتا ہے: "خدا کے سوا دوسرے معبودوں کو برا نہ کہو، اندیشہ ہے کہ ان کے ماننے والے اپنی جہالت اور دشمنی سے اللہ کو بُرا کہنے لگیں۔ ہم نے انسان کی فطرت ایسی بنائی ہے کہ جو کچھ وہ کیا کرتے ہیں اسی کو پسند کرتے ہیں، لیکن آخر کار اللہ کی طرف پلٹنا پڑے گا اور اللہ انھیں بتائے گا کہ ان کے اعمال کیا تھے" (سورت ۶ آیت ۱۰۸) اس قسم کی مذہبی رواداری جس کی اسلام نے تعلیم دی اور جس پر مسلمانوں نے عمل کیا ایک بلند تر صداقت کا نتیجہ ہے اور وہ صداقت (دین) ہے یعنی وہ طریقِ حیات جس کو اللہ تعالیٰ نے الہام کے ذریعے پیغمبروں تک پہنچایا تاکہ وہ نوعِ انسان تک پہنچا دیں۔ یہ حکم اپنے بنیادی پہلوؤں میں ہمیشہ ایک ہی رہا ہے۔ قرآنِ پاک کا ارشاد ہے کہ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک قانون اور ایک کھلا راستہ مقرر کر دیا ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی نمونے کا بنا دیتا۔ اس نے جو کچھ تم کو دیا ہے اس کے مطابق تمھارا امتحان کرنا چاہتا ہے۔ پس تم اعمالِ نیک میں ایک دوسرے پر سبقت کرنے والے بنو (سورۃ ۵، آیت ۵۱) اسی طرح قرآن پاک اس بڑی صداقت کی طرف اشارہ کرتا ہے: "ہر امت کے لیے ہم نے مقرر کر دیا ایک طریقہ عبادت کا، جس پر وہ چلتے ہیں، پس نہ جھگڑا کریں وہ تجھ سے اس معاملے میں اور بُلا ان کو اپنے رب کی طرف، بے شک تو ہی راہ راست پر ہے"۔ (سورت ۲۲، آیت ۶۷)۔

مختلف خطوں میں مختلف قوموں پر مختلف پیغمبر بھیجے گئے ہیں، وہ سب کے سب ایک ہی دین (طرزِ حیات) کی تعلیم دیتے ہیں۔ اُن پیغمبروں کے لیے اپنے عہد میں دین پر چلنے کے لیے مختلف راستے منظور کیے گئے۔ قرآن پاک کا ارشاد ہے کہ کوئی قوم ایسی نہیں جس کو ہادی نہ بھیجے گئے ہوں (سورۃ ۳۵، آیت ۲۳)۔ اور درحقیقت پیغمبر اسلام کی حیثیت بھی ایک ہادی سے زیادہ نہیں (سورۃ ۱۳۔ آیت ۹) قدیم زمانے کی اقوام کے لیے اللہ تعالیٰ نے متعدد پیغمبر بھیجے (سورۃ ۴۳، آیت ۵) ان پیغمبروں میں سے چند کے نام قرآن میں مذکور ہیں اور دوسروں کے متعلق اللہ تعالیٰ پیغمبر اسلام سے فرماتا ہے کہ ہم نے ان کے متعلق تجھے کچھ نہیں بتایا۔ (سورۃ ۴۰، آیت ۷۸)۔

اسلام نے جس رواداری کی تعلیم دی ہے، اس کا نقطۂ عروج قرآنِ پاک کی سورت ۲، آیت ۵۹ میں اس طرح ہے: "بے شک، وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں (یعنی مسلمان) اور وہ لوگ جو یہودی ہیں یا عیسائی ہیں یا صابی ہیں، جو بھی خدا پر اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہیں اور صحیح اعمال کرتے ہیں وہ خدا سے اپنا انعام پائیں گے اور نہ کچھ خوف ہوگا ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے"۔ کیا اس سے بڑھ کر کوئی مذہبی رواداری ہو سکتی ہے۔ انسانی تاریخ کو قرآن پاک کا سب سے بڑا عطیہ میری ناقص رائے میں یہ ہے کہ اس نے اس واحد بنیادی اصول

کی وضاحت کر دی، جس کے مطابق تمام انسان صلح اور ہم آہنگی کے ساتھ زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ قرآن پاک نے نوع انسانی کے اتحاد کی اہم ترین ضرورت پر بار بار زور دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"کیا ہم نے نوع انسانی کو ایک وحدت کی طرح نہیں پیدا کیا؟" وہ خوں ریز جنگیں جو ایک جتھے سے دوسرے جتھے، ایک برادری سے دوسری برادری، ایک فرقے سے دوسرے فرقے، ایک قوم سے دوسری قوم کے درمیان ہوتی رہی ہیں۔ اس کا سبب انسان کی یہ گہری خواہش نظر آتی ہے کہ وہ اس کی حمایت نہیں کرنا چاہتا کہ سچائی کیا ہے، بلکہ وہ یہ فیصلہ کرنا چاہتا ہے کہ کون سچا ہے۔ قرآن ہم سب کو دعوت دیتا ہے کہ ہم خدا کے قانون پر قائم رہیں۔ اس کے لیے ایک موزوں استعارہ استعمال کیا گیا ہے کہ سب کے سب خدا کی رسّی کو تھام لیں۔ قرآن پاک ہمیں منع کرتا ہے کہ ہم اپنے اندر جتھے بنائیں یا شعبوں میں بٹ جائیں اور جانب داری کی عادت پیدا کریں۔ قرآن پاک سختی کے ساتھ ان لوگوں کو بُرا ٹھہراتا ہے، جو فرقے بناتے ہیں اور گروہ بندی کے قائل ہیں اور جو لوگ مذہب کے ٹکڑے کر دیتے ہیں اور نئے نئے فرقے پیدا کرتے ہیں، چناں چہ پیغمبر اسلام سے وہ خطاب کرتا ہے کہ "بے شک جنھوں نے تفرقہ ڈالا اپنے دین میں اور ہو گئے مختلف گروہ، نہیں تجھ کو ان سے کچھ بھی سروکار۔ ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، پھر وہ خود بتا دے گا انھیں جو کچھ وہ کیا کرتے تھے" (سورت ۶ آیت ۱۵۹) ایک جگہ قرآن یہ حکم دیتا ہے کہ "پس آپس میں اختلاف کر کے انھوں نے اپنا کام ٹکڑے ٹکڑے کر لیا۔ ہر ایک گروہ انھی باتوں پر خوش ہے، جو ان کے پاس ہیں" (سورۃ ۲۳، آیت ۵۳)۔ یہ تمام اندرونی شعبے اور فرقے جنھوں نے دنیا کے امن کو تباہ کر دیا ہے۔ اس بات کا نتیجہ ہیں کہ نوعِ انسان نے دستور کے اس عظیم واقعے کو فراموش کر دیا یعنی جب ہم سب خدا ہی کی طرف سے آئے ہیں اور خدا ہی کی طرف واپس جائیں گے۔ اِسی طرح نسلی برتری کو بھی قرآن نے رد کر دیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے تمام بنی نوع انسان آدم سے ہیں اور آدم مٹی سے بنایا گیا ہے۔ شیطان کو صرف اِس لیے ملعون قرار دیا گیا ہے کہ اس نے اپنی اونچی اصل اور انسان کی پست حقیقت کا مقابلہ کر کے اپنی برتری کا دعوا کیا۔ چنانچہ وہ کہتا ہے "انسان مٹی سے بنایا گیا اور میں آگ سے بنایا گیا ہوں۔" اس قسم کی برتری کے احساس کی جو کسی قوم میں اپنے اعلا نسل کے خیال سے پیدا ہوتا ہے۔ قرآن پاک نے صاف الفاظ میں تردید کر دی ہے اور اس کی پروا نہیں کی کہ پیغمبر اسلام کے مخالفین کیا کہیں گے۔ تاریخ مابعد اسلام کا سب سے اہم واقعہ یہ ہے کہ تمام مذاہب کے مقابلے میں اسلام ہی وہ تنہا مذہب ہے جس نے نسل، رنگ اور حسب نسب کی اہمیت کو کامیابی کے ساتھ ملیا میٹ کر دیا۔ اُس نے اپنے پیروؤں کو نسل یا جغرافیائی وحدت کی بنا پر نوع انسان کو مختلف گروہوں میں منظم کرنے کی ممانعت کر دی۔ اسلام کے لحاظ سے وہی شخص قابلِ عزت ہے جو متقی ہے یعنی جو شخص اپنے آپ پر قابو رکھتا ہو اور اللہ کے قانون پر چلتا ہو۔ انفرادی زندگی کے تمام اعزازات غلط ہیں، ان کا کوئی مطلب نہیں۔

آج اِس دنیا میں جو ہر قسم کی گروہ بندی میں مبتلا ہے اور "قوم پرستی" کے جھوٹے خدا کی عبادت کرتی ہے، نوع انسانی کو یہ بات محسوس ہو رہی ہے کہ انسانی برادری کی بنیاد صرف ایک روحانی اصول پر قائم کی جا سکتی ہے نہ کہ رنگ اور نسل کی بنیاد پر۔ وہ روحانی اصول انسانی برادری کی تنظیم کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ انسانی برادری کی تنظیم صرف اس بنیاد پر کہ انسان انسان ہے، اِس لیے نہیں کہ اس کے پاس کیا ہے، بلکہ اس لیے کہ وہ کون ہے۔ وہ لوگ جو نسلی برتری کو مانتے تھے اب ہر جگہ بُرے ٹھہرائے جا رہے ہیں وہ لوگ جو کسی قوم کی عظمت کو معاشی اور صنعتی ترقی کے معیار سے جانچتے تھے، اب ہر جگہ ان سے نفرت کی جاتی ہے اور اس سے بدتر بات یہ ہے کہ وہ خود بھی آپس میں اختلاف رکھتے ہیں۔ سالانہ حج کا جو فریضہ اسلام نے عائد کیا ہے، جہاں تک میں جانتا ہوں روحانی اصول کی ہی ایک عملی مثال ہے۔ ہر سال مکے میں مسلمانوں کا جمع ہو جانا پورے نوعِ انسانی کے اتحاد کی طرف ایک قدم ہے۔ یہ ایک نمونہ ہے، جس کے مطابق بنی انسان کی بین الاقوامی وحدت قائم ہو سکتی ہے۔

وہ روحانی اصول جس پر بنی نوع انسان کو جمع کیا جا سکتا ہے۔ اسلام کے بموجب انصاف کے نصبُ العین کو اپنانے سے حاصل ہو سکتا ہے۔ قرآنِ پاک میں ایک منصفانہ معاشرے کے قیام کی شدید ضرورت پر متعدد جگہ زور دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ انفرادی طور پر مردوں اور خواتین کو بھی انصاف پسند بننے کی دعوت دی گئی ہے۔ انصاف کی ترازو کو سیدھا پکڑنے اور چیزوں کو تولنے میں جھوٹے بات استعمال کرنے یا دغابازی سے ترازو کو جھکا دینے کی ممانعت کی گئی ہے۔ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم ضرورت پڑے تو سچی شہادت پیش کر کے انصاف کی مدد کریں، خواہ یہ بات ہمارے عزیزوں، رشتے داروں کے ہی خلاف کیوں نہ ہو۔ ایک زمانہ تھا جب کہ انسان کا بلند ترین نصبُ العین، ظالمانہ اور جابرانہ حالات کا شکار ہونے والے مصیبت زدہ لوگوں کو ڈھارس دینا اور آرام پہنچانا تھا۔ اس زمانے کا مذہبی فرض صرف اتنا تھا کہ بے انصافیوں کے ہاتھوں دکھ اٹھائے ہوئے انسانوں کو یہ یقین دلا کر سہارا دیا جائے کہ خدا بےکس اور عاجز انسانوں کے ساتھ ہے اور ان تکلیفوں کا اجر آخرت میں ملے گا۔ قرآنِ پاک نوع انسانی کی طبقاتی تقسیم کو جس کی بنیاد انصاف کے نصبُ العین پر نہ ہو، تسلیم ہی نہیں کرتا۔ عیسائی معاشرہ اپنے موجودہ اعتقادات کی روشنی میں مسکینی اور عاجزی کی قدروں کو اہمیت دیتا ہے اور بادشاہ کا حق بادشاہ کو اور خدا کا حق خدا کو ادا کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ وہ انصاف پر بنیاد رکھنے یعنی انصاف پسند لوگوں کے ذریعے منصفانہ قوانین چلانے پر زور نہیں دیتا، بلکہ اس کے بجائے خیرات اور رحم کے جذبات کو بیدار کرنے کو اہمیت دیتا ہے، لیکن اسلام اپنے پیروؤں کو یہ حکم دیتا ہے کہ ظالموں اور قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کو قرار واقعی سزا دی جائے اور یہ ہدایت کرتا ہے کہ ضرر رسیدہ لوگوں کو، اُن غلط کار لوگوں سے ہرجانہ دلوائے، جن کے ظالمانہ عمل سے انھیں نقصان پہنچا ہے۔ وہ یہ کہتا ہے کہ ساری طاقت کا مالک اللہ ہے اور جو شخص کوئی اقتدار رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنا اقتدار ذاتی شان و شوکت کے لیے استعمال نہ کرے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے مقصد کی تکمیل کے لیے استعمال کرے۔

(۳)

اس طرح قرآن کے احکام ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔ طوعاً و کرہاً ساری دنیا نے اس کو اصولاً قبول کر لیا ہے۔ دنیا اس کے نصب العین کی قسم کھاتی ہے اور اس کی پیش کی ہوئی قدروں کی داتی پر درش کر رہی ہے اور باتوں کی طرح جہاں یہ صحیح ہے کہ ہمارے اقوال اور اعمال میں بہت بڑا تفاوت ہے، وہاں یہ بھی صحیح ہے کہ عمل کے میدان میں مسلمان قرآن کی بہت کم اتباع کرتے ہیں، تاہم اس میں شک نہیں کہ مسلمان قرآن کا بڑا احترام کرتے ہیں۔ دنیا کی کسی کتاب کی اتنی تعظیم نہیں کی گئی جتنی کہ مسلمان قرآن پاک کی عزت کرتے ہیں۔ مسلمان اس کتاب کی جو تعظیم کرتے ہیں وہ صرف اس کتاب کے مطالبے ہی پر نہیں ہے۔ قرآن کا یہ دعوا بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے کہ اس کی دی ہوئی ہدایات کو سمجھا جائے اور اپنے روزمرہ کے عمل میں ان کی پابندی کی جائے۔ بہرحال صورت حال یہ ہے کہ مسلمان قرآن کو سمجھنے کی جگہ زیادہ تر اس کو طوطے کی طرح پڑھتے ہیں۔ میرے خیال میں تو یہ بات اس عظیم کتاب کے اصل مقصد کے برعکس ہے۔ اگر قرآن ایک کتاب ہدایت ہے تو کیا ہم سب کا یہ فرض نہیں ہے کہ اس میں جو کچھ لکھا ہے اور ہمیں حکم دیا گیا ہے، اس کو سمجھیں، لیکن میں پوچھتا ہوں کہ جو کچھ اس نے ہم کو حکم دیا ہے، اس کو سمجھے بغیر کس طرح معلوم کر سکتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ صرف عربی زبان کا جاننا قرآن فہمی کے لیے کافی نہیں ہے۔ اگر صرف عربی زبان کا جاننا کافی ہوتا تو آج عرب اقوام قرآن کے بارے میں مستند ہوتیں اور ان کا عمل اس کے احکام کے مطابق ہوتا۔ عرب دنیا کے موجودہ انتشار پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس مقدس کتاب کے احکام سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اس وقت اس کا موقع نہیں کہ ان شرائط کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے، جن کے پورا کرنے پر انسان کے دل پر قرآن کا اثر ہو۔

معمولی عربی زبان جاننے سے پہلے انسان کو اپنے نفس کی طہارت اور اللہ تعالیٰ سے دلی خلوص پیدا کرنے کے لیے بہت بڑے نظم و ضبط کی شدید ضرورت ہے۔ یہ صحیح ہے کہ عربی دانی بھی ضروری ہے۔ ہم جتنا زیادہ عربی زبان کو جانیں گے اتنا ہی بہتر ہے، لیکن یہ یاد رہے کہ عربی دانی اس حد تک ضروری نہیں کہ صرف و نحو اور لغات و اصطلاحات کی باریک بینیوں کا احاطہ کیا جائے۔ قرآن کی عربی بہت سیدھی سادی عربی ہے، اس لیے یہ اس کا معجزہ ہے کہ ایک عامی بھی اس کو سمجھ سکتا ہے۔

ہمارے اس یقین کے لیے کہ خدا موجود ہے اور محمدؐ اس کے پیغمبر ہیں، قرآن کی شہادت بہت کافی ہے۔ یہ ایک معنی میں ہمارے لیے کتاب بشارت بھی ہے، کیوں کہ اس سے ہمارے دلوں میں اپنے خالق کا ایک تصور قائم ہوتا ہے جو ہمارے لیے غلطیوں کو معاف کرنے والا اور ہماری بے وقوفیوں سے پناہ دینے والا ہے۔

اپنے اس خطبے کے خاتمے پر کیا میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میرے خیال میں اسلام ایسا مذہب نہیں ہے جو مذہبی عقائد اور اعمال کے رسمی اور رواجی پہلو پر زور دیتا ہو۔ جو کچھ رسمی باتیں اس نے منظور کی ہیں، وہ اسی صورت میں قابل قبول ہیں جب کہ ان کا ماننے والا شعور طریقے پر ان کو انجام دینے کی نیت رکھتا ہو اور جو کچھ وہ انجام دیتا ہے، اس کی عملی صورت کے اصلی معنی و مطلب سے بھی آگاہ ہو۔ مذہبی اعمال جب تک مکمل آگاہی کے ساتھ انجام نہ دیے جائیں، وہ کوئی حقیقی قیمت نہیں رکھتے۔ مسلمان کے لیے لازمی ہے وہ ہر کام میں پہلے نیت باندھے (یعنی اس فرض کے انجام دینے کا باشعور ارادہ کرلے) خواہ وہ روزانہ کی نماز ہو یا حج ہو یا روزہ ہو یا اس کے علاوہ اور کوئی مذہبی فریضہ ہو۔ یہ واقعہ ہے کہ ذہن کی شعوری صورت گری کے بغیر، جس کے لیے "نیت" کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے، کوئی عمل عمل نہیں، کیوں کہ رسول اللہؐ نے یہ فرمایا کہ جب تک صحیح نیت کے ساتھ کوئی عمل نہ کیا جائے، وہ عمل نہیں ہے۔ حقیقت میں تو آپ نے اس سے بھی زیادہ فرمایا ہے کہ مذہب کے مطابق مومن عمل پر شعوری ارادے کے ساتھ قائم رہنا خود عمل سے بہتر ہے۔ ان سب باتوں کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ اسلام کے دائرے میں رہ کر جو عمل کیا جائے گا وہ باشعور ایمان کے ساتھ ہی ممکن ہے۔ رسمی اعمال صرف میکانکی سرگرمی ہے، جو اب از کار رفتہ ہو چکی ہے۔ اسلام میں رہ کر جو کچھ کیا جائے وہ اس پہلو کا اچھی طرح شعور رکھ کر کیا جائے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے قانون کی پابندی کر رہے ہیں۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شخص مذہبی فرائض کی معقولیت کو سمجھے بغیر مسلمان رہ سکتا ہے۔

کاش اس کتاب مقدس کی روح پاکستان کے جسدِ سیاسی میں بھی سرایت کر جائے، تاکہ وہ پاکستان کے لوگوں کو ساری دنیا کے لیے قابلِ تقلید نمونہ بنا دے۔ اس صورت میں انفرادی طور پر مردوں اور خواتین کی، اور اجتماعی طور پر بڑی بڑی جماعتوں کی ہر کوشش صحیح سمت میں ایک قدم ثابت ہوگی اور رسول اللہؐ کے پیغام کے مطابق ہوگی۔ ہم مسلمان کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی بندگی میں داخل ہیں اور ہم میں کے وہ تمام لوگ جو اُس پروگرام کو پورا کرنے کے لیے جہاد کر رہے ہیں، قابلِ احترام اور لائق مبارک باد ہیں۔ اُس پروگرام کے جو ایک عالمی تحریک ہے اور جس کو چودہ سو برس پہلے پیغمبرِ اسلام نے نوع انسانی کو نجات دلانے کے لیے شروع فرمایا تھا۔ قرآن کی یہ پیشین گوئی جو پیغمبرِ اسلام کو مخاطب کر کے کی گئی ہے کہ وہ یہ دیکھ لیں گے کہ انسانوں کے بڑے بڑے گروہ اللہ تعالیٰ کی راہ پر چلتے نظر آئیں گے، ابھی تک پوری ہونی باقی ہے۔ رسول اللہؐ سے محبت کا اور اللہ تعالیٰ کی صحیح عبادت کرنے کا دعوا کرنے والوں پر اس مقصد کے لیے دوڑ دھوپ کرنا عین فرض ہے۔

---

with conscious believer: ritual as a mere mechanical activity is out of date—with Islam everything to be done is to be done consciously as an aspect of our obligation to serve the Lord and to fulfil His Law. If that be true, how can it be possible for any one to be a Muslim without understanding the rationale of that religious practice which has been enjoined upon him for his religion and the meaning and value of which has been set forth with a remarkable clarity, lucidity and vigour in the Book in which he believes?

May the Spirit of the Book permeate in the body politics of Pakistan and make all the peoples of Pakistan models for the rest of the world to emulate! Every effort that is made by individual men and women and by larger groups in this direction would be a step in the right direction and would be in accord with the mission of the Prophet. It is in the service of the Lord that we, as Muslims, have been enlisted and all honour to those who are willing to become diligent crusaders in the realisation of the programme of world movement which was sponsored by the Prophet 1,400 years ago to redeem mankind from those vices which had overtaken it and from that ignorance which had paralysed it. The prophecy of the Qur'an to the Prophet that he will find mankind marching in crowds on the way to the Lord has still to be fulfilled. To labour for that end is the highest duty that is cast upon those who claim to love the Prophet and to worship the Lord who sent him to us as our benefactor, our warner and our guide.

Printed at The Times Press Karachi.

is a Book of *Hidayat*, is it not obligatory for all of us to *know* what is contained in it, and what it has enjoined upon us. And how can we, I ask, know what it has enjoined upon us unless we are able to understand what it says. It is true that mere knowledge of Arabic is not *enough* for the comprehension of the Qur'an. Were knowledge of Arabic sufficient the Arabs of today would be an authority on the Qur'an and their practice would be a reflection of its teaching. A superficial glance at the confusion in the Arab world of our own day shows that they are far from understanding the gospel contained in the Holy Book.

This is not the time to indicate in any measure of details what are the preconditions which have to be fulfilled before the Qur'an can have appeal to the heart of man. A great deal of discipline in the nature of internal purity and a great deal of devotion to the Lord Who has revealed it to mankind is required before mere knowledge of Arabic can be serviceable. It is true that knowledge of Arabic is *necessary* and the more we know Arabic the better will it be—but then, knowledge of Arabic is not to be confused with a close study of its syntax, of its grammar and of its lexicographical superfine distinctions. The Arabic of the Qur'an is simple—therefore such is its miracle that it cannot be understood easily by the sophisticated ones !

Qur'an is the best evidence that there is for all of us to believe that *God exists*, that *Muhammad is His Prophet*. It is also a Book of Hope in the sense that it presents to us the image of our Maker who forgives us and protects us against our own follies.

As I come to the end of my Address to you, may I say this: Islam is not, in my understanding of it, very much concerned with what may be called as the ritualistic aspect of religious belief and practice. Whatever ritual has been sanctioned by it, is admissible only on the basis that the believer consciously wills to perform it and is meaningfully aware of the symbolic character of what he performs. Unless religious practice is countenanced with a full awareness of why it is being countenanced, there can be no real value in it. A Muslim has each time to make *niyat* (that is to say, form conscious intention) to pray or to perform pilgrimage or to fast or, as a matter of fact, to do anything else that is sanctioned by religion. As a matter of fact without the conscious formation of this state of mind designated by the term *niyat* there is no *amal*, for, as the Prophet would put it, there is no *amal* unless it be accompanied by a proper *niyat*. Indeed, he went much further than even this when he said that conscious formation of intention to abide by the code of conduct commanded by religion is better than the conduct itself. All this goes to show that practice within the framework of Islam is possible only

The spiritual principle upon which mankind can be grouped, according to Islam, takes the form of devotion to the ideal of justice. There are innumerable references in the Qu'ran to the supreme necessity of establishing a *just* society, a *just* order. We individual men and women are invited to be just, to hold scales of justice evenly and are forbidden from employing false measures in weighing things or artificially tilting the balance in our own favour. We are called upon to advance the cause of justice by offering testimony should the need to do so arise, even against our own kith and kin, our own near ones and dear ones. There was a time when the highest ideal for man was to extend hope and offer comfort to persons who were suffering because of the inequitous and unjust conditions to which they were subject. The religious duty was merely to *comfort* the victims of injustice with the assurance that God is with the lowly and humble and that because of their suffering they will be rewarded in the Hereafter. Qur'an would not accept any organisational synthesis of mankind which is not based on the ideal of justice . . . which consists in giving to each nation or community what is its due. The Christian society in the conception of its present professions could only be founded by upholding the value of meekness, or rendering unto Caesar what is Caesar's and to God what is of God—of charity, of compassion—not upon the foundation of justice which consists in the enforcement of just laws by just people. Islam enjoins upon its votaries to inflict duly sanctioned punishments on the transgressors of the law and admonishes us to call upon the perpetrators of the wrong to compensate those who have been wronged by the unjust exercise of their power. It says all power is God's and any one who has it, must exercise it not for his *personal aggrandisement but in His holy name for the advancement of His purpose.*

(3)

Qur'an's manifesto is thus there for all to see. Willy nilly, it has been accepted in principle by the whole world. The world swears by its ideals and in fact cherishes the values sponsored by it. It is true that here, as elsewhere, there is a great deal of discord between our 'professions' and 'performance'. It is further true that in the sphere of practice, the teaching of the Qur'an is least follwed by those who call themselves Muslims. The Qur'an no doubt has been revered greatly by them. No book in the world down the ages has been adored more than the Holy Qur'an has been by the Muslims. The respect they show for the Book, however, is not the only response that is demanded by that Book. Far more important is the claim of the Qur'an that the guidance furnished by it should be *understood* and *applied* to the details of our daily conduct. The Muslims have been somehow more busy in reading by rote the Qur'an than in understanding it—this I submit would seem to be contrary to the spirit of that great Book. If Qur'an

become parties to the founding of sects, it tells the Prophet: "Have thou nothing to do with them. Their affair is with God. Hereafter shall We tell them what they have been" (chapter 6, v. 160). It goes on to enjoin in another place: "But men have rent their great concern (the one religion which was made for all mankind), one among another, into sects and every party rejoicing in that which is their own" (chapter 23, v. 53).

These internal divisions and schisms which have disrupted the peace of the world result from mankind disregarding the supreme fact of its own constitution, namely, that all of us are from God and to God is our return. Similarly, the racial pride is discounted by the Qur'an when it proclaims that *all mankind is from Adam and Adam is made up of dust.* Satan is exhibited as an accursed one precisely because he argues for the superiority of his *high* origin as contrasted from what he believes is the *lowly* origin of man. "Man, after all," says he, "was created of dust whereas I am created of fire." This sort of sense of exclusivism which also comes to a people purely out of a desire to claim superior and high quality of blood in their being has been denounced by the Qur'an in no unmistakable terms and no matter what the detractors of the Prophet might say, the supreme fact of post-Islamic history is that Islam alone of all possible creeds has successfully devalued the importance of race, colour and privilege. It has admonished its followers not to organise mankind into groups based on principles of blood or geographical contiguity or particular privilege which they might claim for themselves. According to Islam he alone is exalted who is a *muttaqi*—that is, one who is a self-controlled individual one who lets the law of God rule him. All other trimmings and trappings of individual life are false credentials and mean nothing.

Today in a world, divided by all manner of groupings, and accursed as it is by the worship of a false God called "nationalism", the realisation has come to mankind that the brotherhood of man is capable of being founded only upon a spiritual principle . . . not on the basis of colour, race, privilege. That spiritual principle highlights the importance of organising the Brotherhood of man upon the only basis that he is a man . . . not because of *what he has* but because of *who he is*. Those who believe in the superiority of race are being roundly condemned everywhere: those who believe that greatness of a nation is measured by its economic and industrial potential are being hated everywhere and what is worse they are not even at peace with themselves. Institution of pilgrimage sanctioned by Islam is the only illustration I know of the operation of the spiritual principle for securing integration of mankind; gathering of Muslims in Mecca every year is the only model upon which a move towards a supra-national synthesis of mankind can be stimulated.

has been in essential aspects one and the same. "To each amongst you," declares the Qur'an, "Have We prescribed the law and an open way. If God had willed He would have made you all of one pattern; but He would test you by what He has given to each. Be emulous then in good deeds" (chapter 5, v. 48). Similarly, the Holy Qur'an points out the great truth, namely "To every people We have appointed observances which they deserve. Therefore let them not dispute this matter with thee; but bid them to their Lord for thou art on the right way" (chapter 22, v. 67).

To various peoples in different climes various Prophets have been sent, all of whom have revealed the same *Din* (the way of life) to them although the observances sanctioned for the realisation of the *Din* in their own time have been different. "There hath not been people who have not been visited by the warners" says the Qur'an (chapter 35, v. 23). "And, indeed, the Prophet of Islam himself is nothing more than a warner and a guide" (chapter 13, v. 7). "Several of these Prophets the Lord hath sent amongst the people as of old" (chapter 43, v. 6). Some of these Prophets have been mentioned by name in the Qur'an and of others, says the Lord to the Prophet "We have told thee nothing" (chapter 40, v. 78).

Indeed, the tolerance preached by Islam reaches its high water mark when the Qur'an declares in chapter 2, verse 59: "Verily, those who believe (that is Muslims) and they who follow the Jewish religion, Christians and the Sabaiens . . . whosoever believeth in God and the Last Day and doeth that which is right shall have their reward with the Lord. Fear shall not come upon them, nor shall they grieve." Could spirit of religious toleration go any further ?

The greatest contribution which the Qur'an has made to human history, in my submission, concerns the clarification it has offered of the only foundational principle on which mankind as a whole can be brought to live together in peace and harmony. Qur'an has emphasized over and over again the supreme necessity of mankind getting together, for after all "Have We not" says the Lord "created mankind as though it were one self." The internicine warfares that have gone on between groups and groups, communities and communities, nations and nations, and sects and sects appear to stem from man's inveterate desire to uphold not *what* is Right, but merely to decide *who* is Right. The Qur'an invites all of us to adhere to the Law of God with a happy and apt metaphor . . . of sticking to one and the same rope of the Lord. Qur'an admonishes us against forming cliques and being privies to schisms and developing spirit of partisanship. Indeed, Qur'an mercilessly denounces those who form *sects* and *sponsor group formations* and as to those who split up their religion and

personality as she has been made directly accountable to God. The Qur'an has honoured the woman so much that there is a chapter in it entitled as "woman" and numerous references to her status and dignity are to be found therein. This was a radical departure from the position of pre-Islamic woman—and, indeed, if only a comparative study upon that subject were made it would seem that her position in the framework of Qur'anic teaching is much above even the present status of the woman anywhere in the world. Such triumphs as the cause of the liberation of the woman has made in the annals of human history, I submit, are directly traceable to the impact of the Qur'an.

Similarly, Islam came to terminate the age of slavery. Indeed the freeing of the slave is the highest point of honour to which the Qur'an invites man to (chapter 90, v. 13). Indeed Qur'an deals with the question of the emancipation of man so very comprehensively that it can be called the *Testament of Human Liberty*. Man is declared free and he is brought in such a direct relationship with God that even the 'priesthood' has been thrown overboard. How can man worship God freely unless he be free from political, economic, social and religious exploitation. God says: He is near to Us than the veins of Our necks...how can any one intervene to interpret His will to Us. Man is to be made free to be able freely to worship the Lord!

The whole world today believes in religious tolerance, and whatever be the extent of its conformity to the ideal postulated by religious and intellectual tolerance, all civilized countries the world over subscribe to man's inherent right to pursue, in the light of his own feeble powers and resources, the goal which he has kept before himself. Indeed, Qur'an is the only religious Book, I know, which has, on the one hand, commanded the followers of Islam to *spread* their faith by resort to the use of beautiful words of persuasion and on the other hand *prohibited* them against the vice of being intolerant of other peoples religious beliefs and practices. It candidly says that there is no compulsion in religion. Further, it enjoins the Prophet say: "Your God and my God is one God," still further when all arguments fail and the detractor of Islam refuses to listen to reason, the Muslim is admonished to say, even as the Prophet said to his detractors: "You have your own religion and I have my religion." Indeed, Qur'an has gone farthest in this direction when it declares "Revile not those whom they call on besides God, lest they, in their ignorance, despitefully revile Him. We have so fashioned the nature of man that they like the deeds they do. After all they shall return to their Lord and He will declare to them what their actions have been" (chapter 6, v. 109). This sort of religious tolerance preached by Islam and practised by Muslims stems from, and is the consequence of, a larger truth—the truth that the *Din*, that is, the *way of life commanded by God to be revealed by the Prophets to mankind*

thoughtful minds of those who came in contact with Moorish Civilization. But barbaric Europe confessed itself impressed and was stung to emulation by the lofty magnanimity and the ideals of chivalrous honour presented to it by the knights of Spain, by gentlemen like the fierce soldier, Al-Mansur, who claimed that, though he had slain many enemies in battle, he had never offered an insult to any—an ideal of knightly demeanour and dignity which twentieth century England might with profit perpend. The ruffiantly crusaders were shamed by the grandeur of conduct and generosity of Saladin and his chivalry. The ideal of knightly virtue was adopted, the tradition of *Noblesse Oblige* was established. Poetry and Romances deeply tinged with Arabian ideas formed the only secular literature which circulated and appealed to the popular imagination; and a new conception of the place and dignity of women passed into Europe through the Courts of Provence from the Moorish World, where she shared the intellectual interests and pleasures of man.... Thus, shocking as the paradox may be to our traditional notions, it would probably be only strict truth to say that Mohammadan culture has contributed at least as largely as to the actual practical, concrete morality of Europe as many as more sublimated ethical doctrine" (see his *The Making of Humanity* pp. 307-09).

Similarly, the position of the women in the pre-Islamic era is so pathetic that it is impossible to get the modern man to realise how much of advance has not Islam made in enjoining upon humanity the necessity of respecting and honouring the woman. The Arabs found it difficult to let a daughter grow up in their house. This was supposed to be something derogatory to their status. They used to bury them alive. With Islam all this was prohibited. The *daughter* was admitted to be a sharer with her brother in the law relating to inheritance. This is rather significant considering that in as civilized a country as England, not until 1922, was a married woman entitled to own property. Islam gave to the woman not only the right to inherit property but to own it even against her husband,....so much so that if a husband is guilty of misappropriating her property she is entitled to obtain a divorce from him on that account alone. As a widow she gets a share in her husband's property. The rights of wives are to be acknowledged by her husband and are clearly mentioned in chapter 2, vv. 228 to chapter 4, vv. 34, & chapter: 2, v. 229. She was given a right to claim a divorce 1,400 years ago whereas under the Ecclesiastical law sanctioned by the Church of Christ it is impossible for her to obtain a divorce. The modern secular legislation which recognises divorce in Christian countries is an indirect acceptance of the wisdom of the Qur'an on this subject.

There was a time when of woman, it was said: "He for God and she for God in him." But now with Islam the woman has been declared an independent

schoolboy in Europe is today taught to believe that Reformation was the result of Renaissance which in its turn is supposed to have been ushered in, thanks to the revival of learning that took place after the fall of Constantinople. Somehow, the dark ages of Europe suddenly ceased and the light of renaissance came to be.

That is all taught, in the universities of civilized Europe and America in the name of liberal education; and as to the origin of this "Renaissance" itself all kinds of false explanations exist and continue to be concocted—but an honest attempt at historical analysis will in the wise words of Dr. Robert Briffaut, show that :

"It was under the influence of the Arabian and Moorish revival of culture, and in the fifteenth century, that the real Renaissance took place. Spain, not Italy, was the cradle of the rebirth of Europe. After steadily sinking lower and lower into barbarism, it had reached the darkest depth of ignorance and degradation when the cities of the Saracenic world, Baghdad, Cairo, Cordova, Toledo were growing centres of civilization and intellectual activity. It was there that the new life arose which was to grow into a new phase of Human Evolution. From the time when the influence of their culture made itself felt, began the stirring of a new life.

"It is highly probable that but for the Arabs modern European civilization could never have arisen at all; it is absolutely certain that but for them, it would not have assumed that character which has enabled it to transcend all previous phases of evolution. For although there is not a single aspect of European growth in which decisive influence of Islam is not traceable, nowhere is it so clear and momentous as in the genesis of that power which constitutes the paramount distinctive force of the Modern World and the Supreme Source of its Victory—Natural Science and the Scientific Spirit" (see his *The Making of Humanity*, pp. 188-90).

Not merely in the direction of intellectual evolution of Modern Europe alone is the influence of Islam to be acknowledged and understood. "To the intellectual Culture of Islam," says the same author "which has been fraught with consequences of such moment, corresponded an ethical development not less notable in the influence which it has exercised. The fierce intolerance of Christian Europe was indeed more enraged than humiliated by the spectacle of the broad tolerance which made no distinction of creed and bestowed honour and position on Christian and Jew alike, and whose principles are symbolised in the well-known apologue of the Three Rings popularised by Boccacio and Lessing. It was, however, not without far-reaching influence on the more

Adverting to the importance the Qur'an attaches to the educational process, the matter is too obvious to need any elaboration. The Book itself begins with an imperative to read: "Read in the name of Lord Who created man from relationship (chapter 96, vv. 1 and 2). "Read and thy Lord is most generous who taught man by pen" (chapter 96, vv. 3 and 4). It emphasizes the value of *the ink and the pen and what they write* (chapter 68, v. 1). Qur'an is full with repeated emphasis on the value of thinking, of pondering, of rationalisation, of discrimination. In a way, it would not be an exaggeration to say that the whole of the Book is concerned with outlining the methodology and technique by which man is to read the Book of Nature and to witness within himself the Signs of the Divine. All universe is one and man is called upon to look at it and to learn from it. How many times does not the Qur'an call upon us to look at the various phenomena in Nature—and challenges us to throw our glance at the creation of the Lord and to say if we find any flaw therein. Not content with asking us to throw our first glance at the universe, we are invited to throw a second glance at the universe. We are told that: Verily our vision will return weary upon us and that we shall not be able to see any flaw in the Master's creation (see chapter 67, vv. 3 and 4). Then we are called upon to see the Signs of the Lord in the rhythm of change that is discoverable in nature—between the night and the day, as though one is chasing the other. We are asked to notice the way in which the dead earth is brought to life by the rainfall. We are asked to consider the motions of the seasons, the sun and the moon, each one running its course. The Qura'n in the 13th chapter, verses 3 and 4, enjoins that there are signs in nature for people who reflect. In the magical words of the Qur'an: "And He it is who spread the earth, made in it firm mountains and rivers. And of all fruits He has made it in pairs, two (of every kind). He makes the night cover the day. Surely there are signs in this for people who reflect. And in the earth are tracts side by side and gardens of vines and corn and palm trees growing from one root and distinct roots—they are watered with one water and we make some of them excel others in fruit. Surely there are signs in these for people who understand."

It was this constant call to see nature and to understand the secret of its operations which enabled the earlier Arabs to become pioneers of science and scientific methods. Nowadays, of course everything, is attempted to be explained by the historians of human culture as though Arabian science did not so much as exist. Everything is supposed to have been found for us by the Greeks!

The moral and intellectual flowering of the European culture and civilization has had a source other than the one that is generally invoked by scholars. European civilization itself is a "post-Protestantism" product. Of course every

(4) Liberation of the woman and her spiritual equality with man.

(5) Freedom from slavery and exploitation of all kinds.

(6) Dignity of manual labour.

(7) Integration of mankind in a feeling of oneness irrespective of their differences *qua* race and colour (that is, the programme of securing integration of mankind on the basis of moral and spiritual principles).

(8) The devaluation of arrogance and pride based on superiority of race, colour, wealth, etc. and the founding of society on the principle of justice.

(9) Rejection of the philosophy of ascetism.

Each one of these items on the agenda of modern man's heroic and noble endeavour, I submit, is fully and adequately supported by various injunctions of the Qur'an and ably illustrated by the kind of life that the Prophet of Islam himself lived.

The Prophet of Islam is exemplary precisely because he is a man-prophet. Qur'an is never weary of making him say that he is a man like any other man except to the extent that the *Wahi*, that is, Holy Ghost brings revelation to him. He is the one Prophet who is not only not interested in performing miracles, but makes the non-performance of miracles as his passport to main distinction. He does not claim any Divine origin. For himself he is content to be just an ordinary human being. He lives a life of honest and earnest endeavour throughout his life. To the very end he preserves a high sense of moral rectitude and conducts the enterprises of life with great human dignity. He is an able warrior, an excellent soldier, a loving husband, a reliable friend, a wise ruler. *He sanctifies life in all its aspects, omitting nothing from its embrace.* He treats the whole earth as a prayer carpet, denies that the Arabs have any superiority over the non-Arabs or the non-Arabs any superiority over the Arabs. He makes one and only one decisive test about the grandeur, the loftiness and greatness of the human soul—which consists in its capacity to control itself so as to be able to practise righteousness. And even when he becomes the ruler of the whole of Arabia he never discards his old way of simple life and incessantly enjoins upon himself and upon his followers the supreme necessity of giving away of the good things of life to their fellow men who might need them. "So give" says he "that your left hand may not see what your right has given." He forbids his followers from renouncing the world. Indeed, God is everywhere and His earth is very wide and man is to serve Him wherever he likes.

places the burden of making a choice between good and evil fully and squarely on the shoulders of man. It says: "Have We not shown to you the two ways"—the easy way and the difficult way. Qur'an further declares that nothing belongs to man except his effort: that he is going to be judged by what he does here and now. Does this not suggest that Qur'an assumes man to have reached a level of evolution where he is regarded as being capable of choosing between the right and the wrong. The Qur'an is also called "Furqan"—which merely means that it is the book which helps one to discriminate—between the scale of values, pointing out which acts are good, better and best and which ones are bad, worse and worst. All this shows that the Qur'an addresses itself to people who can choose!

(2)

One way of demonstrating the indispensibility of the message contained in the Qur'an to the modern world is to take up, one by one, the present-day standards of excellence—that is, *values* and *ideals* which are accepted and upheld by enlightened section of contemporary humanity and to ask the question: What is the genesis of those values and ideals? Whence have they come? And in particular, one must ask whether those values and ideals were at all commended or enjoined by pre-Islamic religious teaching. If we were to reach the conclusion that the present-day set of ideals and values which is considered worthy by a civilized man to adopt and accept was revealed for the *first time* by Islam, then the fact that even after 1400 years that message continues, at least in principle, to be followed still, would be proof positive of the claim that what Qur'an proclaims to the world is *even today the acceptable gospel.*

Negatively, if it could be shown that what Qur'an enjoins is out of date today so far as the practice of civilized people is in issue, or that some new values and ideals have gained currency in modern times which are not stressed by the Qur'an, we will have to say that Qur'an was an ephemeral book and its message is out of date today.

If I were asked to state what are the values which the enlightened consensus of mankind upholds in the mid-twentieth century, I would put them in the following order :

(1) Equality, dignity and brotherhood of man.

(2) Value of universal education with emphasis on spirit of free inquiry and the importance of scientific knowledge.

(3) Practice of religious tolerance.

The process of revelation, as remarked earlier, has been consummated in the message that has been brought by the Prophet of Islam to mankind. So much is this true that it may be said that Islam itself provides for the education of the human race. Man has evolved and has been a witness to various phases of his own evolution. Different Prophets have brought different messages for their people, if only because having regard to the different conditions in which humanity has found itself, the message in question could only be addressed to particular people in certain well-defined epochs of human history. Only by some such teaching was it possible to secure man's further development. In Islam religion has been perfected. That is another way of saying that with Islam the age of revelation has come to a close, and that the age of realisation of the principles of revealed religion has been inaugurated. That is why in all the earlier scriptures references are to be found to the advent of the Prophet of Islam. Students of Bible, for instance, know that Christ had said: "I have great many things to say unto you but cannot bear them now. He will guide you unto all Truth; for he shall not speak of himself but of whatsoever he shall hear that shall he speak." (John 16: 12-4) Further, the *New Testament* bears testimony to this very truth: "Whom the Heavens must receive until time of restitution of all things which God has spoken by the mouth of all his holy Prophets since the world began (Acts III: 21 and 22). The Holy Qur'an itself affirms this reference in chapter 61, v. 6, when it says: "And that Jesus, son of Mary, said: "O children of Israel, surely I am the messenger of Allah to you verifying that which is before me of *Torah* and giving the good news of a Messenger who will come after me, his name being Ahmed."

That then is the meaning of the fundamental tenet of Islam which enjoins that the Prophet of Islam is the *last* Prophet. The Holy Qur'an thus embodies the finalmost communication from the Divine. After the Prophet of Islam came to mankind the need for continuing the process of Divine communication itself has come to an end. For Islam signifies in the history of mankind that phase of human development which corresponds to the period of majority in the life of individual. A few words by way of explanation of this distinctive feature of the Holy Book which consists in its address being directed to fully grown up individuals are called for—and are offered in all humility as an aid to those who would like to understand the grand strategy of the Qur'an for bringing about the moral and mental regeneration of mankind on earth.

The very fact that Qur'an claims itself to be a Book of Guidance assumes that it is not a book of Ten Commandments as is, for instance, the *Old Testament*. The Prophet was called upon to purify the people, to teach them the Book, that is their destiny and to make them wise (chapter 2, vv. 129 and 151; also 3, 163 and 62). He was to warn and to guide. The Qur'an unmistakably

the limits within the circle of which he must move if he is to be saved. He is thus educated and pointed out the scheme of things in which he is to strive for the fruition of his appointed destiny. The Qur'an, no wonder, says: "Truly, it is for Us to show the way to man and truly Ours is the future and truly the past (chapter 92, vv. 13-14). Similarly, it goes on to assert: "Who so maketh effort, follows in Our ways, *We will guide them*; for God is assuredly with those who do righteous deeds" (chapter 29, v. 69). For more explicitly than these references to man's dependence on Divine guidance are the following:

"Say, verily *guidance* is from God. That is the true *guidance;* and we are indeed to surrender ourselves to the Lord of all beings" (chapter 6, v. 71). Then, again : "But until they follow your religion, neither Jews nor Christians will be satisfied with thee. Say, verily *guidance* is from God—that is the *guidance*". (chapter 2, v. 114).

The irreducible minimum requirements for the successful discovery of solution of life's problems thus would appear to be two: *First* of all there is to be a *question* in the soul, a *craving* to find answers to the problems of life, a *prayer* at the altar of the Divine for the way being shown. And it is this that imparts to Surah *Fateha* the importance that has been assigned to it by those who have thought deeply about the strategy of the Qur'an: each time man has to pray: he asks: "Show us the way"—in other words "Grant to us the guidance". If a man with a pure soul, with a feeling heart, asks for guidance and proceeds to read that portion of the Qur'an that is bound to issue forth from the Book he will get answer to his question. And, *secondly*, one has to have the *will* to walk on the way that is revealed. For not the whole path would be shown to man if he would not even walk on that part of the way which is being shown to him: capacity to receive truth ultimately depends upon *man's efforts to implement the truth that comes to him*. He who sees the way but would not negotiate it, will stay where he is—indeed, such is the law, the rest of the way will never be shown to him.

The strategy of religion precisely consists in this that it enables man to find his way to the goal that counts. Man by the flickering light of his feeble powers—which is all that is furnished to him by his meagre resources—cannot be expected to discover the way on his own, much less have the *energy* and the *inclination* to follow the way. It is his faith in the revealed truth that has come to him from the Prophets of universal religion that is capable of coming to his rescue in this regard and this is so because the natural reach of his own personality is such that in respect of the essential questions of life it cannot, by itself, find any valid answers.

can he do. Such is the state of helplessness in which man finds himself that from all sides and quarters difficult questions crop up—questions to which there are no satisfactory answers available. Perchance the Qur'an refers to this very situation of man when it says: "Verily, We have created man in difficulty." Hence the need of "revelation". Religion provides answers to these questions of life on the authority of the Prophets of universal religion. Man has been guided by the Lord himself—even as Merciful Sustainer of the Universe He has guided the whole of creation.

Qur'an as a Book of Guidance has itself commented upon the full implications of the concept of "Hidayat". "Hidayat" literally means "to guide" and " to show the way". In 8th chapter of Sura *Al-Ala* of the Qu'ran reference is made to all the relevant aspects of the process of development through which all the created beings pass. "Praise the name of the Lord, the Most High, who hath *created* and then *equiliberated* all things,Who hath *appointed their destinies* and Who hath *guided* them" (87: 2). This *Hidayat* in its wider sense, may be regarded as a principle of internal development of the species. To the lower animals have been given instincts and senses through which their instincts lead them on to balance or equiliberate themselves. And it is through seeing, hearing, feeling and smelling that they adapt themselves to their environment—and thus to sustain themselves and to procreate their species. With man, additionally, *Hidayat* takes the form of conferment by God of the gift of Reason upon him,—a sort of a capacity which controls and limits the expression of instinctive life of the animal in him. It is by means of this control which reason enables man to impose over his lower nature that he is elevated to a higher status. Great as this gift of reason is, by itself it does not and cannot suffice—for reason only operates within the framework of instinctive life conditioned as it is by the sensory apparatus. It has therefore its own limits, and beyond those limits it is dangerous for it to go. Thus the Prophets have brought *Hidayat* to man from the Divine in yet one more form. And this form has reference to the message concerning those injunctions, the disregard of which would involve man in wasteful friction with the universe, nay, in a veritable war against his own potentialities. Armed by this *Hidayat* man is capable of being liberated from the narrower precincts in which his reason operates. He is able, thanks to this guidance, to contemplate his total destiny and regulate his individual conduct and the conduct of his fellow beings in the light of the revealed truth which has been brought to him by the Prophets of the universal religions. It would appear that each succeeding phase of guidance is intended to limit the earlier one: thus senses correct the instincts, reason corrects the senses and the revealed truth corrects the operation of reason itself. The prophetic consciousness mirrors for man the higher truth which it is incapable of being attained by the operations of unguided reason. Man is informed of

and completed My favour" (chapter 5, v. 3). Similarly, in Sura *Al-Ala* (chapter 87, vv. 14 to 19) Qur'an declares that the truth mentioned by it was also contained in the earlier scriptures—even as in the scriptures of Abraham and Moses. The process of revelation has begun since times immemorial and has been brought to mankind through the Prophets of universal religions by, as it were a process of periodic instalments, to stimulate its growth and development.

The necessity for revelation is attested by the facts of life: the very condition of finitude in which we find ourselves calls for Divine help. In the short span of life that is ours, having regard to the limited range of our capabilities and powers of perception, it would be impossible for us without assistance from the Divine to understand our role here below and to plan wise and intelligent action with a view to servicing the essential needs of our being. In order to be meaningfully aware of the necessity for revelation, one has merely to think of the obvious facts of man's dependence on the outer environment in which his lot is cast. Indeed, the very possibility of man's survival depends upon food and shelter which he has to provide to himself from the resources that are available to him from the world outside. If earth did not produce for him the food on which he lives, how can man at all hope to survive. Similarly, man finds himself in a universe which he knows has been there over millions of years before he himself arrived and, what is more, he is fully cognizant of the fact that it will continue being there after his own little "day will have been done" and he will have "vanished into the night" leaving things pretty much the same as they have always been. It is clear then that the universe is necessary for his survival but he is not necessary for the life of the universe! What is the meaning of the drama in which man is called upon to play his part; in particular, is he expected to play any part at all—and if so, whether his role is significant or is it something that is inconsequential ? To questions such as these man must find the answers, if he is at all going to fruitfully employ the opportunity and time that is at his disposal while his life lasts. Before the end overtakes him, he must learn to regard his moments as a serviceable means for the fulfilment of the purpose for which he has been created —that, of course, provided if there be any for which he has been created. Reflection shows that even the most trained philosophers despite considerable bulk of time they have devoted in finding answers to these questions have found it difficult to return convincing answers. And yet while solution to these problems are being sought, the river of life of man is continually moving relentlessly on and every moment that elapses for the son of man seems to hurl him on to ever new vistas of experience and opportunity. Tragedy of life is that every moment that passes is gone, never to return. What must man do in order to fulfil the law of his being. Without knowing what that law is, what

furnished to us when we examine impartially and contemplate objectively the remarkable revolution that has been wrought in human history by the message that is contained in the Holy Book.

From this perspective, I submit, that the whole post-Muhammadan era of human history would appear to be a commentary on the claim of the Qur'an that it is a Book of Guidance for the whole of mankind and its teaching is relevant for all time to come. After all, God is, according to the Holy Qur'an, God both of the East and of the West and the Truth revealed by Him has percolated deep into the warp and woof of the thought-life of all the peoples of the world—be they the inhabitants of the eastern or the western regions. And Qur'an assures us that where the truth appears the lie disappears—for, verily it is in the nature of lie that in its confrontation with truth, it disappears.

(I)

The birthplace of the Prophet and, therefore, the rise of Islam, is strategically placed in the "geographical" middle of the then prevailing civilizations of the times—the Greco-Roman civilization of the West and the Egyptian, Babylonian, Phoenician, Persian civilizations of the Near East and the Indian and Chinese civilizations of the Far East. The emergence of Islam from the landscape of Arabia in the larger vista of history is to be likened to the radiant light emanating from a brilliantly lit lamp placed in the middle of a world that had sunk into thick and impenetrable darkness. The Prophet of Islam, no wonder, is described in the Qur'an as *a shining lamp* and in that image is befittingly addressed as "Mercy" on all the peoples. Mankind cannot be grateful enough to him for what he had done for it.

The greatest Divine favour on man is that he has been taught the Qur'an: indeed, the claim that God is Merciful is attested by no other credential than the one which says that He has taught the Qur'an to man (see chapter 55, vv. I and 2). The whole Book, regarded from that point of view, is to be construed as a sort of Instrument of Instructions which has been issued to man in his capacity as God's viceregent on earth to enable him to conduct his life's operations here below in such a manner that he is able to obtain success in this world and the reward of eternal bliss in the Hereafter.

The distinctive feature of the Holy Qu'ran as a religious scripture lies in the undeniable fact that it *affirms and completes the total process of revelation which has come from the Divine for the guidance of the human race.* God says to the Prophet in the well-known Sura *Al-Maida*, a Sura which is one of the very last to be revealed to the Prophet: "This day We have perfected your religion

IMPACT OF THE HOLY QUR'AN ON HUMAN HISTORY*

by

A. K. Brohi

The Holy Qu'ran claims to be a Book of *Hidayat*, i.e. Guidance for man. It is a Book that is available to whole mankind—indeed it addresses itself, by and large, to the totality of mankind. Its message is relevant to different peoples living in different parts of the world. Further, its message is valid for all times to come—in other words, it is not a Book that will ever to be out of date. Such a claim, in principle at least, as can be appreciated, should be capable of being substantiated by appeal to historical evidence. If Qur'an is at all a Book of Universal Guidance in the sense that its message is relevant to all peoples in all ages and climes, it must have had, in the course of these 1,400 years of its existence, a decisive impact on human history—in particular, it must have had a liberating and a transforming influence on the lives of those who may have come under its spell. I submit that clear historical evidence in support of the claim of the Holy Qur'an exists and I shall endeavour to offer a broad survey of it during the course of this Address.

But before I do that, it is necessary to point out that over and above the test of historical evidence to which appeal could be made, there are within the Divine Book itself, numerous indications which ought to enable a discerning and perceptive student to appreciate the truth of the claim of the Qur'an, namely, that it presents a message of universal significance. These "intrinsic" tests, it must be admitted, are valid within the framework of religious beliefs and practice sanctioned by Islam and are therefore available only to the faithful—that is to say, they are valid only for those who believe in the Divine Word and hold that it has been authentically revealed to the Prophet of Islam and has been preserved down the ages without any alteration having been effected in its text. The "extrinsic" test of history, however, which I propose to apply in an endeavour to outline the extent of the impact which the Holy Qur'an has made upon human history is a *sui juris* one, and, in my submission, if properly appreciated, it is bound to appeal even to those who, not being themselves believers, are nevertheless open to conviction upon the premises of an argument based on the unimpeachable historical evidence that is

*Address delivered at Hotel Karachi Intercontinental under the auspices of Sham-e-Hamdard at 4 p.m. on 29th December, 1967.

Impact of Holy Qur'an on Human History

Address by

Mr. A. K. BROHI

Under the auspices of

Sham-e-Hamdard

on Friday, 29 December 1967
at 4. p.m. at Karachi-Pakistan